

MACKINNONS SPORTS CLUB
KARACHI.

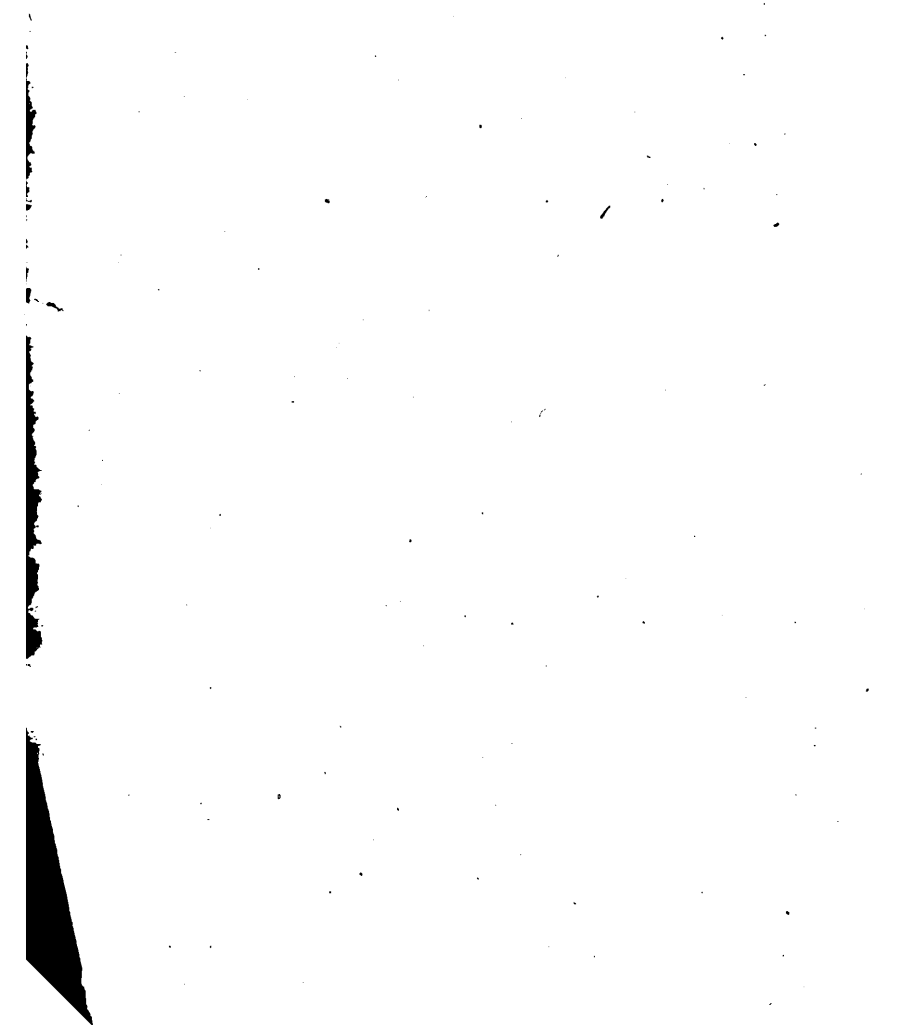
جلیانوالہ باغ

ابوالہاشم ندوی

سنگ میل سلیکشنز © لاہور

جلیان والا باغ





ایوالماسٹم ندوی بی اے

جلیان والا باغ

ایک ناقابل فراموش المیہ

سنگ میل پبلیکیشنز

چوک اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

طابع تذبذب حسین

مطبع منصور پرنسپس لاہور

ناشر سنگ میل پبلی کیشنز - لاہور

ڈاکٹر سیف الدین کچلا بیگ

جنہوں نے آزادی ہند کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا، لیکن آزاد
ہندوستان نے جن کی قدر نہ کی وہ مر گئے، لیکن وہ ہمیشہ
زندہ رہیں گے

ہرگز نہ میر و آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است یزید بریدۂ عالم دوام ما
(ابوالہاشم)

ہندوستان کے لوگ جاہر حکومتوں کے مظالم
سہتے کے عادی ضرورت تھے۔ مگر اس قسم کے ظلم کبھی
ان پر نہیں توڑے گئے تھے۔ جتنے قدر کے
بعد توڑے گئے۔

ہندوستان کو صرف
ہندوستانیوں کی آنکھ سے
دیکھیے !

(سرچارلس دوڈ)

فہرست عنوانات

- (۱) آغاز سخن
- (۲) قصہ درد
- (۳) ڈائر اور اوڈائر
- (۴) قاتل رائے عامہ کے کٹہرے میں
- (۵) ہنٹر کمیٹی
- (۶) چشم دید گواہوں کے بیانات
- (۷) حالات کا جائزہ
- (۸) امرتسر کی اضطرابی حالت
- (۹) ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری
- (۱۰) فائرنگ، تڑپتی ہوئی لاشیں، پھڑکتے ہوئے جسم
- (۱۱) تماشہ
- (۱۲) مارشل لا
- (۱۳) مارشل لا میں لوگوں پر کیا گندری

کتنی ہی مذمت کی جائے۔ اور بلاشبہ وہ ہر آئینہ قابلِ مذمت ہیں،
— مگر بہر حال قانونی مغالطہ کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں اس لیے انہیں
کسی نہ کسی حد تک نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

لیکن جلیا تو الہ باغ میں، ایک فرعون صفت انگریز نے ہر اصول، ہر
قانون اور ہر ضابطے کو نظر انداز کر کے حریت طلب اور آزادی خواہ ہندوؤں
سکھوں اور مسلمانوں کے بہتے اور سپر امن مجمع پر جس طرح ٹولی چلائی اسکی
مثال برطانوی سامراج کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے۔

خود انگریز مورخوں اور اہل قلم نے اس المیہ پر کتابیں لکھیں۔
ان کتابوں میں جہاں کچھ ایسی ہیں جن میں برطانوی استبداد اور
قرائیت کی بھرپور تائید اور مدح سرائی کی گئی ہے وہاں کچھ ایسی بھی ہیں جن
میں لکھنے والوں نے اپنے ہم قوموں کی بربریت، سفاکی اور شقاوت پر پردہ
ڈالنے اور اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ واقعات کو واقعات کی
حیثیت سے مانجا اور پرکھا ہے اور اپنے نقطہ نظر سے جو کچھ سچ اور صحیح
سمجھا ہے۔ اسے بے کم و کاست بیان کر دیا ہے۔

ان کتابوں میں، خاص طور پر دو کتابیں مجھے پسند آئیں، ایک کا نام ہے؛
Messager at Amritsar اور اس کتاب کے مصنف کا

نام ہے - Rupert Furneaux

دوسری کتاب ہے :-

Six Minutes to Sun - Set

اس کے مصنف ہیں :-

Arthur Simson

میں نے ان دونوں کتابوں سے کما حقہ استفادہ کیا ہے :-

جلیناوالہ باغ کالمیہ اپنی جگہ پر بہت بڑا المیہ ہے، اور اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس کی تفصیلات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان تنہیں ”وطن دشمن“ کہہ کر ہندو اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے ہیں، پورے خلوص، جوش اور جذبے کے ساتھ آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے رہے ہیں -

اس حقیقت کو نظر سے کبھی اوجھل نہ ہونا چاہیے -

گاہے گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ را

ابوالہاشم

۲/۲۲، پی ای، سی، ایچ، سو سائٹی

کراچی

قصہ درد

انہیں افسانہ غم ڈرتے ڈرتے
سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

قائم

افسر نے حکم دیا اور دس منٹ تک
بھاگتے ہوئے لوگوں پر گولیوں کی بارش
ہوتی رہی۔ بیلنزاں اور تریساں لوگ
تھے جو موت کے کٹہرے سے بھاگ نکلنے
کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہے

جہاں ۱۶۵۰ راؤنڈ چلائے گئے،

۳۷ آدمی ہلاک اور ۱۲۰ زخمی ہوئے

اس انبوہ کثیر میں سے کسی نے بچاؤ

کے لئے بھی نہ لاٹھی چلائی۔ نہ پتھر

پھینکا۔

یہی دل خراش داستان

پوری محنت و استناد کے ساتھ

اگلے صفحات میں پیش کی گئی

ہے۔

ڈاکٹر اور اوڈاکٹر

قاتل رائے عامہ کے گھر میں

میں نے فائٹنگ کی اور اس وقت تک کرتا رہا جب تک مجمع منتشر نہ ہو گیا۔ میرا خیال ہے یہ کم سے کم فائٹنگ تھی جس کا ہمہ گیر اور دور رس نتیجہ برآمد ہوا۔ یہ میرا فرض تھا کہ ایسا کر گزرتا۔ اگر میرے دستِ قدرت میں اس وقت فوج کے مزید دستے ہوتے تو موجودہ مناسب سے ہلاک شدگان اور مجروحین کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ سوال صرف ایک مجمع کو منتشر کرنے کا نہیں تھا بلکہ فوجی نقطہ نظر سے ان تمام لوگوں کو مرعوب کرنا تھا جو مجمع میں شامل تھے بلکہ خاص طور پر ان لوگوں کو دہشت زدہ کرنا تھا جو صوبہ پنجاب میں بستے ہیں لہذا غیر ضروری سفاکی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ تھا جنرل ڈائر کا بیان جو انہوں نے ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو دیا تھا اور اس بیان پر وہ ساری زندگی سختی سے قائم رہے۔

ان الفاظ نے انہیں لاکھوں آدمیوں کی نگاہ میں ایک درندہ صفت انسان کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

———— ایک انٹرنیٹ سپاہی جس نے درندگی اور خون آشامی کا بے صہجہ مظاہرہ کیا اور اپنے اس فعلِ زبوں پر کبھی شرمندہ نہ ہوا۔



۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیان والا باغ امرتسر میں جو خون ریزی ہوئی تھی ۱۹۲۱ء میں جنرل ڈائر کے اس سفاکانہ اقدام و عمل پر برطانیہ میں شور و شر مچا ہوا، اور انگلینڈ و گروہوں میں بٹ گیا۔

ایک گروہ وہ تھا جو جنرل ڈائر کا مداح اور ثنا خواں تھا کہ اس نے ۱۹۲۹ء میں کوہاک اور ۱۹۳۰ء میں کوڑھی کر کے شور و شر کرنے والوں اور مفسدہ پردازوں کو ایسا سبق دیا کہ ہندوستان ایک نئے غد سے بچ گیا۔

دوسری جماعت وہ تھی جس کا خیال تھا کہ ڈائر کی اس درندگی اور سفاکی نے جو قتل عام کی صورت میں ظاہر ہوئی، برطانیہ کے دامن پر ایسا دھبہ لگا دیا ہے جو جون آف آرک کو زندہ جلادینے کے بعد سے اب تک رونما نہیں ہوا تھا، یہ ایک ایسا لرزہ خیز اقدام تھا، جس نے صرف ۲۸ سال کی قلیل مدت میں برطانیہ عظمیٰ کو

اس جنگلاتے ہوئے ہمیں سے محروم کر دیا جو اس کے تاج خسرویی کی تربیت تھا۔



۱۹۲۷ء میں جنرل ڈائٹر کا انتقال ہو گیا اور کچھ ہی مہینے بعد برطانوی راج بھی ختم ہو گیا۔ مفید نام ”صاحب لوگ“ انڈیا سے پوریا بستر باندھ کر رخصت ہو گئے، ہندوستان سے باہر کی دنیا میں جلیا نوالہ بارغ کا حادثہ اب ایک قصہ ماضی ہے۔ ۱۹۲۷ء میں جنرل ڈائٹر کو بیٹریوں کے آگے بھینک دیا گیا۔ اسے ایک تحقیقاتی کمیٹی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا اقرار، تحقیقاتی نقطہ نظر سے یا واقعی نقطہ نگاہ سے کیسا ہی رہا ہو، بہر حال اس نے سارے ہندوستان کو ایک دکھتا ہوا نور بتا دیا۔

”سیاسی مصلحت“ کا تقاضا یہ تھا کہ جنرل ڈائٹر کو سزا دی جائے۔ برطانیہ کی ٹوری (قدامت پسند) جماعت نے ڈائٹر کے ”کارناموں“ کو سراہا۔ ایک انگریز جج نے اسے ہر الزام سے بری قرار دیا۔ لیکن ہندوستانیوں کے قلب مجروح سے خون رستا رہا، وہ اس داغ کو فراموش نہ کر سکے۔

۱۹۵۷ء میں ڈائٹر کا سیاسی سردار، اور سب سے بڑا پشت پناہ۔ اوڈائر — ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنا۔

ڈائٹر کے انتقال اور اوڈائر کے قتل نے بہت سے سوالات کا نشہ

جواب رکھا۔

ان تشددِ سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں امرتسر کی گلیوں اور
کوچوں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ آئیے آج اتوار کا دن ہے، اپریل ۱۹۱۹ء کی تاریخ
آغاز موسم بہار کی ایک نئی ہوئی سہ پہر۔۔۔؟

ہنرمندی کی

آج کا دن تاریخ کے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بن جانے اور محفوظ رہ جانے کے لیے، طلوع ہوا ہے ۔

چشم تصور دیکھیے، اور دیکھیے :-

کھلی ہوئی کاریں افسروں کو لادے لیے جا رہی ہیں ۔

گھڑ سوار پولیس والے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ۔

پیچھے پیچھے آرمڈ کاریں رواں دواں ہیں ،

تقریباً سو سپاہی آگے پیچھے مار بچ کرتے جا رہے تھے ، ان کے چپے تلے

قدم مسلح سپاہیوں کی رہنمائی کر رہے تھے ۔

مڑکوں پر سورج کی تمازت مدھم بڑھتی جا رہی تھی ۔
بازار کے آدھے راسے پر خدم و حشم ، کمانڈنگ آفیسر کا اشارہ پاتے ہی
رُک گیا ۔

بازار کے ایک طرف ایک تنگ سی گلی تھی جو چند قدموں کے بعد ایک میدان
میں نکلتی تھی ۔

یہ اتنی زیادہ تنگ گلی تھی کہ مسین گلوں سے آراستہ آرنڈو کاریں بھی جو
اٹکھیلیاں کرتی آگے بڑھ رہی تھیں ، یہاں آکر گویا پھونک پھونک کر قدم رکھنے
پر مجبور ہو گئیں ۔

گزرنے کا راستہ انہوں نے بنایا تو لیکن یہ صد ہزار مشکل :

گلی کے اندھکام کے حکم کے مطابق سب مارچ کر رہی تھی ۔ اور مجمع کو
گھیرے میں لیے ہوئے تھی ۔ اوپر طیارے اڑ رہے تھے ، جو سفید فام آقاؤں کی
قوت و شوکت کا ثبوت تھے ، سپاہیوں کے داہنے بائیں فرج صف باندھے کھڑی
تھی ۔ اس نے ایک مورچہ بنا کر سامنے پیسلے ہوئے میدان کے جنوب میں جہاں مجمع
اکٹھا تھا پوزیشن لے لی تھی ۔ مجمع گوش و ہوش سے تقریریں دیا تھا ۔ مقرر اسٹیج
پر کھڑا داد و خطابت دے رہا تھا ، ۲۵ آدمی دروازے کے ہر دو طرف کیل کانٹے سے
لبس کھڑے تھے ۔ یہ بندوقین تانے ہوئے تھے اور حکم کے منتظر تھے ، ۲۰ آدمی
دھار دار اسلحہ سے مسلح ان کے عقب میں تیار کھڑے تھے ۔

یہ ایک افسر نے حکم دیا ۔

”گو لی چلاؤ !“

فوج جیسے ہی نمودار ہوئی سختی مجمع میں بے چینی پیدا ہوئی ، اور لوگ سرگوشیاں کرنے لگے ۔

”دیکھنا فوج آگئی !“

جو بیٹھے تھے وہ کھڑے ہو گئے ۔

کئی ایسے لوگ تھے جن کے کندھوں پر بچے سوار تھے ، انہوں نے بچوں کو نیچے اتار دیا ، اور سپاہیوں کی طرف تھکنے لگے ۔

اسٹیج پر کھڑا ہوا جو مقرر تقریر کر رہا تھا ، اس نے زور خطا بتصریف کرتے ہوئے کہا ۔

”خبردار — اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا ، ڈرنے کی کوئی

بات نہیں ، یہ سپاہی بے گناہ لوگوں کو ہدفِ ستم

نہیں بنائیں گے ، جو جہاں ہے ، بس وہیں بیٹھا

رہے ۔“

ڈالس سے کو ذکرہ اور سفید و مال لہراتے ہوئے سپاہیوں کی طرف میاں
عبدالعزیز بڑھے۔ جن کی عمر تینس سال کی تھی۔ میاں صاحب تہ صدر دروازے سے
باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن رائفل کے کندھوں سے مار مار کر انہیں پھر پیچھے
دھکیل دیا گیا۔

جب فائرنگ شروع ہوئی تو مہنس راج نے چلا کر کہا۔

”یہ خالی خالی فائر ہیں، تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو!“

لیکن مجمع کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

گولیاں سنسناتی ہوئی سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص پرتاب سنگھ کو نہ سنا۔ کوئی افسر اپنے سپاہیوں
سے کہہ رہا تھا:-

”اوپر اوپر فائرنگ کیوں کر رہے ہو؟ بندوقیں نیچی کرو، اور گولی چلاؤ!“

پھر سیٹی بجی۔

سیٹی بجتے ہی گولیاں ٹھانڈی زمین پر برسنے لگیں، جس کا جھرمٹہ اٹھا، بھاگنے
لگا۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

ڈالر کا بیان ہے کہ فائرنگ کے سلسلے میں اس نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔

کیونکہ امرت سر میں کوئی ایسا تھا بھی نہیں جس سے مشورہ کیا جاسکتا۔

وہ کہتا ہے۔

”مجھے فوری طور پر فیصلہ کرنا تھا کہ اب میرا اقدام کیا ہونا چاہیے؟“
 ڈائرنے یہ الفاظ ہنٹر کی بیٹی کے سامنے کہے تھے۔ اس نے مزید کہا۔
 ”فوجی نقطہ نظر سے میرا خیال تھا کہ مجھے فوراً کوئی چلا دینی چاہیے۔ اگر مجھے یہ
 فائرنگ کرنی تھی تو وہ انہی ہی ہونی چاہیے تھی کہ حسبِ دل خواہ نتیجہ برآمد ہو سکتا،
 معمولی سی فائرنگ کے معنی تھے :-

”ایک مجرمانہ اور احمقانہ اقدام؟“
 منادی کے بعد جلیانوالہ باغ کے مجمعِ خلافِ قانون کو مزید انتباہ کرنا، یا اس
 سے گفت و شنید کرنا، یا اسے موقع اور مہلت دینا قطعاً بیکار تھا۔

جنرل ڈائرنے ہنٹر کی بیٹی کے سامنے جب وہ پیش ہوا سوال کیا گیا۔

”آپ نے کیا کیا؟“

اس نے جواب دیا۔

”فائرنگ۔“

سوال ہوا۔

”فوراً؟“

”جی ہاں، فوراً۔“

میں نے ننھوڑی دیر شاید آدھا منٹ غور کیا، اور فیصلہ کر لیا کہ میرے فرض کا

تقاضا کیا ہے؟

ایک عینی شاہد کا یہ بیان ہے جو اپنے مکان کی چھت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کہ :-

”جمع کو منتشر ہو جانے کی تیئہ نہیں کی گئی، گورکھا سپاہی رائفل چھپائے باغ میں داخل ہوئے اور ایک اونچی جگہ پر پوزیشن لی، فائرنگ شروع ہوئی، تو ہیکلڈر چمک گئی۔“

لالہ کرن چند اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کا بیان ہے :-

”سپاہی باغ میں داخل ہوئے اور صفیں قائم کیں، اور کسی طرح کا انتباہ کیے بغیر فائرنگ شروع کر دی۔

حکم ملتے ہی سپاہیوں نے نیچے والے حصے پر یہ تائل فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں زمین پر اولوں کی طرح گر رہی تھیں، اور لوگ زخمی اور ہلاک ہو ہو کر گر رہے تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

بہت سے لوگ بھاگتے میں مجروح یا ہلاک ہو کر خاک و خون میں تھڑنے لگے۔ نشانے کی زد بھاگتے ہوئے لوگوں پر تھی۔ خاص طور پر دروازے سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنے والوں پر۔“

جنرل ڈائر نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا :-

”جب میں نے محسوس کر لیا کہ میرے احکام کی تعمیل نہیں ہو رہی ہے، تو یہ میرا فرض تھا کہ گولی چلا کر مجمع منتشر کر دوں۔ میں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ میں تمام حاضرین کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اگر وہ ایسا کرنے پر پشیدہ رہے!“

ڈائری کے یہ الفاظ ہینٹر کیٹی کے ایک رکن جنرل سرچارل بارو کے دل پر نقش ہو گئے۔ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں ”جنرل سرچارلس مڈنرو“ پر جو کتاب لکھی تھی، اس میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔

لارڈ ہینٹر، کیٹی کے صدر نے جنرل ڈائری سے سوال کیا۔
 ”کیا گولی چلائے سے آپ کا مقصد مجمع کو منتشر کرنا تھا؟“
 ”جی ہاں۔“

”کیا کوئی اور مقصد بھی تھا۔“

”نہیں جناب۔ میں اس وقت تک فائرنگ جاری رکھنا چاہتا تھا جب تک مجمع منتشر نہ ہو جائے!“

”کیا جوں ہی فائرنگ شروع ہوئی مجمع منتشر ہونا شروع ہو گیا تھا؟“

”جی ہاں۔ فوراً!“

”آپ نے پھر بھی فائرننگ جاری رکھی؟“

”جی ہاں جناب!“

”جب مجمع منتشر ہونے لگا تھا تو آپ نے فائرننگ بند کیوں نہیں کر دی؟“
 ”میں نے سوچا یہ میرا فرض ہے کہ جب تک مجمع بالکل منتشر نہ ہو جائے اس وقت تک فائرننگ جاری رکھنی چاہیے، اگر فائرننگ کم کی گئی تو نتیجہ حسب دلخواہ برآمد نہیں ہوگا۔ اگر میں کم فائرننگ کرتا تو ایک فعلِ عبث کا ارتکاب کرتا!“
 ”فائرننگ کا سلسلہ کتنی دیر تک جاری رہا؟“

”تقریباً دس منٹ تک!“

”دس منٹ تک؟“

”شاید اس سے کچھ کم!“

جنرل ڈائٹر کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ جس مجمع پر اس نے گولی چلائی وہ مسلح نہیں، نہ تھا۔

”کیا بغیر فائرننگ کے آپ مجمع منتشر نہیں کر سکتے تھے؟“
 ڈائٹر نے جواب دیا۔

”ایسا ممکن تھا۔“

ہو سکتا تھا کہ وہ پھر جمع ہو جاتا، اور میرا مضحکہ اڑاتا!

جنرل ڈائٹر سے ایک اور سوال کیا گیا۔

”کیا صورت حال بہت زیادہ نازک ہو گئی تھی؟“
جنرل ڈائر نے جواب میں کہا -
”بہت نازک جناب۔“

چشم دید گواہوں کے بیٹا

ہنٹر کیٹی کے سامنے چشم دید گواہ بھی پیش ہوئے۔ جنہوں نے یہ ٹوئیں ڈرامہ
اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان سے لوگوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حمد و حمد مرعوب، دہشت
زدہ اور سرا سیمہ ہونے کے باوجود اسے ممبران کیٹی کے سامنے بیان کر دیا۔

نوجہنرل ڈائر کے اندازے کے مطابق دہشت زدہ اور روبہ فرار مجمع کی تعداد
۲۵ ہزار کے قریب تھی یہ انہو عظیم گولیوں کی بارش سے خوف زدہ اور ہراساں جان

- (۱۴) جنرل ڈائٹر سے سکھوں کی عقیدت
(۱۵) قصور ڈھنڈ کے پیدا کیے جفا کے لیے
(۱۶) ڈائٹر - ایک ہیرو
(۱۷) طوفان کی آمد آمد
(۱۸) قدرت کی چلی
(۱۹) قاتل کی سراسیمگی
(۲۰) کانگریس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ
(۲۱) پیر چل نے ڈائٹر کو چلتا کر دیا
(۲۲) آرمی کونسل کا فیصلہ
(۲۳) جج کا ایک طرفہ فیصلہ
(۲۴) ڈائٹر کی موت اور ڈائٹر کا قتل
-

آغازِ سخن

متحدہ ہندوستان (شمال پاکستان) پر انگریزوں نے اُن گنت مظالم کیے ہیں۔ عصمتیں لوٹیں، کھیت جلائے، مکانات ڈہائے، جائدادیں چھینیں، املاک پر قبضہ کیا، جاگیریں منیام کیں، کوڑے لگائے، پھانسی دی، گولی ماری، جو کچھ کر سکتے تھے سب کچھ کیا بلکہ اس سے بہت زیادہ کر گزرے۔ لیکن اس طرح کی حرکتیں، زیادہ تر غدر کے دوران میں یا غدر کے فوراً بعد کی گئیں۔ اس کے بعد نظم و قانون کی — خواہ وہ کتنا ہی ناقص ہی کیوں نہ ہو — عمل داری شروع ہو گئی، اس دور میں جو مظالم بھی ہوئے وہ بہر حال قانون کے نام پر، اور قانون کی اڑ لے کر کیے گئے۔ ان کی خواہ

بچانے کے لیے بھاگا، لیکن نکاسی کے راستے بند تھے۔

ایک چشم دید گواہ گرد ہاری لال کا بیان ہے کہ گولیاں پندرہ منٹ تک برستی رہیں، سینکڑوں آدمی بے بسی کی موت مارے گئے، جو لوگ دیواروں پر چڑھ گئے انہیں بھی سپاہیوں نے نیچے مار گرایا۔

بھاگتے ہوئے مجمع پر تابڑ توڑ گولیاں برس رہی تھیں جس جگہ مجمع زیادہ گھنا ہو جاتا تھا وہاں یہ شدت اور بڑھ جاتی تھی۔

جو لوگ گولیوں کی بارش سے بچنے کے لیے زمین پر لیٹ گئے تھے، گورکھا سپاہیوں نے گھٹنے زمین پر ٹیک کر انہیں بھی نشانہ اہل بنا دیا۔

میاں محمد شریف، نامی ۲۴ سالہ نوجوان بہت کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور کورجبان بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔

لالہ رام گوپال لاشوں کو روندتا ہوا بھاگوں بھاگ دیوار پر چڑھا، لیکن بھاگتے میں دھوٹی گر گئی، گلی میں جوبب پہنچا تو مادر زاد نرگستاخ۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ فائرنگ ان دروازوں کی طرف زیادہ شدت سے ہو رہی تھی جو صحرے سے لوگ جان بچا کر نکل سکتے تھے۔

اسماعیل قصاب کا بیان ہے کہ میں جدھر رخ کرتا لاشیں بکھری ہوئی نظر آتی تھیں۔

ایک شال فروش عبدالواحد کا بیان ہے کہ میں نے ایک پٹر کے نیچے بارہ آدمیوں

کو پناہ گزین دیکھا، جو ایک دوسرے کے اگلے پیچھے کھڑے تھے، سب ہیوں کی نظر ان پر گئی تو انہوں نے ایک ایک کر کے سب کو ڈھیر کر دیا۔

ہنٹر کیٹی کے ایک ہندوستانی ممبر نے جنرل ڈائرس سے پوچھا۔
”کیا آپ کا مقصد دہشت پیدا کرنا تھا

جنرل ڈائرس نے جواب دیا۔

”میرے اقدام کا جو نام چاہیے، میرا مقصد تو شورش پسندوں کو سبق دینا تھا۔ امرت سر میں بغاوت کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، میرا فرض تھا کہ اس شورش کو کچل دوں، ہر وہ آدمی جو باغ سے بچ نکلا، وہ اس حقیقت کا پیامی بن کر نکلا کہ امرت سر میں ”لا اینڈ آؤر“ کا راج ہے!“
برطانوی حکام کی طرف سے زخمیوں کے علاج کا، اور لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

ہنٹر کیٹی میں جب جنرل ڈائرس سے سوال کیا گیا کہ اس سلسلے میں اس نے کیا کیا؟ تو وہ گویا ہوا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا، یہ میری ذمہ داری نہیں تھی۔“

تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے میاں سکندر علی نے بیان دیتے ہوئے کہا۔
”حادثے کی خبر ملتے ہی میں اپنے چھوٹے لڑکے کو تلاش کرتا باغ میں پہنچا، یہ سوا سات بجے شام کا وقت تھا، بڑی مشکل سے لاشوں کے

ڈھیر میں مجھے اپنا جان مار پیچہ ہمیشگی کی نیند سوایا ہوا ملا۔ میرے لڑکے کی لاش کے پاس میرا چہرہ زار دیکھا، اسماعیل بھی مُردہ پڑا تھا۔ اور زخموں سے چُڑ، اسماعیل کا ایک اور عزیز بھی اس کی تلاش میں آپہنچا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر، بڑی مشکل سے یہ دونوں لاشیں اٹھائیں اور باہر نکلے، ان لاشوں میں جہان، بوڈھے بچے سب شامل تھے۔ زخمیوں اور مُردوں کی تعداد، دو ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اب ہم دونوں پھر پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں۔

حالات کا چائٹرہ

اپنے اس اقدام کے بارے میں جنرل ڈائٹر کا خیال تھا کہ اس نے پنجاب کو ایک نئی بین بغاوت سے اور سارے ہندوستان کو غدر سے بچا لیا۔
جنرل ڈائٹر کے حامیوں کا خیال ہے کہ اس نے چند آدمیوں کی جان لے کر بہت سی جانوں کو بچا لیا۔

دوسرا گروہ اس کے برعکس سوچتا ہے۔

لیکن دونوں اس پر متفق ہیں کہ سارے ملک میں ہنگامہ آرائیاں دہشت شروع ہوئیں، کیونکہ دہلی میں یہ جنگاری ۳۰ مارچ سے مسلکنا شروع ہو گئی تھی۔
ہندوستان نے بڑی شرافت کے ساتھ جرمنی کے خلاف مساعی جنگ میں

انگریزوں کا جان و مال سے ساتھ دیا تھا۔ یہاں کے لوگوں نے غذائی قلت کی تکلیفیں برداشت کیں، برصغریٰ ہوائی اشیاء کی قیمتوں کو گوارا کیا۔ محاصل کا اضافہ منظور کر لیا، پریس پر جربا بندیاں عائد کی گئیں اور شخصی آزادی جس طرح مجروح کی گئی اس کے خلاف، حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

لیکن جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد انہوں نے دوسروں کو آزاد ہوتے اور خود کو بدستور بند غلامی میں جکڑا سوا پایا۔ حالانکہ وہ صبح نوکے منتظر تھے ان سے اصلاحات سیاسی کا وعدہ کیا چکا تھا۔ اور چند مرحلوں کے بعد ہوم رول، دینے کا سرکاری طور پر وعدہ کر لیا گیا تھا۔

بجا طور پر اس ملک کے باشندے یقین کیے بیٹھے تھے کہ جنگ کو کامیاب طور پر اختتام تک پہنچانے میں انہوں نے رویہ یہی دیا۔ اود آدمی بھی۔ اب وقت ہے کہ ان قربانیوں کا صلہ ملے، لیکن وہ صلہ ناقص سیاسی اصلاحات، تشدد آمیز قوانین، اور رولٹ ایکٹ کی صورت میں ملا، جس کی رو سے پولیس اور انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔ نہ اپیل کی اجازت ملزم کو حاصل تھی نہ وکیل کی، حد یہ سب کہ ملزم کے ہاتھ میں فرد قرار واد جرم کا دیا جانا بھی ضروری نہیں تھا اور مزید ستم ظریفی یہ کہ اس ایکٹ کے ماتحت جس شخص کے خلاف کاروائی کی جارہی ہو حکام قانون شہادت کے کسی پہلو پر عمل کرنے کے پابند نہیں تھے۔

رولٹ بل ۱۹۱۹ء مارچ کو ایکٹ (قانون) بن گیا۔ یہی قانون تھا جو ستر گاندھی

کی تحریک مقاومت مجہول یا عدم تشدد Passive Resistance Movement کو عالم وجود میں لایا۔ جیسے وہ سنڈیاگرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے ہاراپپیل کے لئے عام ہڑتال اور اسٹراٹک کا اعلاؤں شائع کیا ، لیکن کسی غلط فہمی کے باعث اکثر مقامات پر یہ دن سدر مارچ کو منایا گیا۔

دہلی میں فساد ، ریوے اسٹیشن سے شروع ہوا ، کیونکہ وہاں ریفر شمنٹ روم میں کھانا کھلایا جا رہا تھا ۔ مجمع تشدد برپا ہوا تو پولیس نے فائرنگ کی جس سے دو آدمی مجروح ہوئے۔ پھر سارے شہر میں ہلٹر مچ گیا۔ دوبارہ فائرنگ ہوئی جس سے کئی آدمی ہلاک اور بہت سے مجروح ہوئے ، ہنٹر کمیٹی نے اس فائرنگ کو حق بجانب قرار دیا ،

دہلی کے ہنگامے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سواریوں سے اتار دیا گیا۔ جو پولیس اپنی کار میں گزر رہے تھے ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ خود چنری ڈائریجی اس یلغار سے نہ بچ سکے۔ وہ چند روز کی چھٹی پر دہلی آئے ہوئے تھے اور کار میں کچھ خواتین کے ساتھ سیر کو نکلے ، مجمع دیکھ کر وہ سمجھے کوئی میلہ ہے چنانچہ خواتین سے انہوں نے یہی کہا ، لیکن جب فساد یوں نے تہ بولاتو انہوں نے شوفر کو ہدایت کی کہ تیزی سے نکل چلے۔ چھٹی مناکر دوسرے دن جب وہ اپنے مستقر جالندھر واپس آئے تو کئی مقامات پر ان کی کار کو سامنا کرنا پڑا ، ایک جگہ تو کار کے پیچھے میں میخ ٹھونک دی گئی تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

دوسرے شہروں میں ہڑتال ۲۴ اپریل کو کی گئی، لیکن کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا
البتہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کی حالت دگرگوں تھی۔

سرماٹیکل اوڈائنرسات سال تک پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر رہنے کے بعد
چند مہینوں کے اندر نشین پر جانے والے تھے۔ دہلی کے حادثے سے متاثر ہو کر
انہوں نے پبلک اجتماعات پر پابندی لگا دی، اور ستیہ گروہ کے عہد نامے پر
عین لوگوں نے دستخط کیے تھے انہیں سختی سے متنبہ کر دیا، کیونکہ لاہور اور
امرت سریش بڑے بڑے پوسٹر ”ماروا اور مر جاؤ“ کے دیواروں چسپاں کیے گئے
تھے۔ جس سے ہوا کے رخ کا اندازہ ہوتا تھا کہ ۲۴ اپریل کو کیا ہونے والا ہے۔

مسٹر گاندھی دس اپریل کو، دہلی اور پنجاب کے دورے پر روانہ ہوئے
لیکن حکومت ہند نے دہلی میں اور حکومت پنجاب نے اپنے صوبے میں ان
کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ گاندھی کو پول اسٹیشن پراس حکم سے مطلع کیا گیا انہوں
نے احتجاج کیا لیکن احمد آباد واپس جانے پر راضی ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی۔ دوسرے شہروں میں تو
کچھ ایسا زیادہ شور و شر نہیں ہوا۔ لیکن، دہلی، لاہور اور امرت سریش تو گویا آگ
لگ گئی۔

اہرٹ سرٹیں یہ افواہ پھیل گئی کہ گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس افواہ نے جلتی پینٹیل کا کام کیا، سارے شہر میں دنگا اور ہڑت شروع ہو گیا۔ مجمع حد سے زیادہ مشتعل تھا، کئی انگریز زخمی ہوئے۔ ایک مارا گیا۔ سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ اور سوراخ کا اعلان کر دیا گیا۔ فائرنگ کے بعد مجمع منتشر ہوا۔ ۱۲ اپریل کو گاندھی آگئے۔ انہوں نے عدم تشدد اور امن کی اپیل کی جو کارگر ہوئی۔

لاہور میں حالات اتنے نازک ہو گئے کہ دو روز تک گویا یہاں فساد یوں کی جھلک رہی رہی۔

۱۱ اپریل کو ۲۵ ہزار ہندوؤں اور مسلمانوں کا مجمع جو انگریزوں سے تنفر میں بالکل متفق تھا، بادشاہی بازار کی طرف سیاہ جھنڈے لیے، اور اشتعال انگیز نعرے لگاتا ہوا بڑھا۔ یہ لوگ جارج پنجم مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور علی الاعلان کہہ رہے تھے ہمارا بادشاہ امیر افغانستان اور شہنشاہ جرمنی ہے شہر کی ہر بڑی سڑک ہندو مسلم شورش پسندوں سے بٹی ہوئی تھی۔

گوئرنر نے اپنی قیام گاہ پر سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی، تیس چالیس آدمی شریک ہوئے۔ بعض کی رائے تھی کہ عوام کے لیڈروں سے صلح صفائی کی بات کی جائے لیکن ہر مائیکل اوڈائٹر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے

کہا۔

”ہم باغیوں سے بات نہیں کر سکتے، ان سے ہم اچھی طرح منٹ
سکنے کی قوت رکھتے ہیں۔“

۱۲ اپریل کو بادشاہی مسجد کے باہر ایک زبردست جلسہ ہوا۔
یہاں سادہ لباس میں کچھ پولیس والے تھے۔ ان کی خوب پٹائی بھٹی، آٹھ
سو پولیس کے سپاہی مسلح کٹرے تھے۔ ان پر پتھراؤ ہوا۔ انتباہ کے باوجود مجمع
نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا۔ آخر گولی چلائی گئی۔ جس کا نتیجہ ہلاکت اور جراحت
کی صورت میں رونما ہوا۔ شہر کے دوسرے مقامات پر بھی یہی صورت پیش آئی۔

قصور میں بھی بہت نازک صورت پیش آئی۔ زبردست ہڑتال کی گئی۔ مظاہرے
ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ فیروز پور سے ایک ٹرین آ رہی تھی جس میں یوہین
بھی تھے۔ ٹرین روک لی گئی اور ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بڑی مشکل سے
انہیں بچایا جاسکا۔

انگریز عورتوں اور بچوں کی جان لینے کی کوشش بھی کی گئی۔ لیکن ایک
ریلوے انسپکٹر تھان دین نے ان کی حفاظت کی اور بچا لیا، ٹرین جب پلیٹ فارم
پر پہنچی تو دو انگریز وارنٹ آفیسر ہلاک کر دیے گئے۔ اسٹیشن کو آگ لگا

دسی گئی، عدالت کی عمارت پر حملہ کیا گیا۔ یہاں بھی فائرنگ ہوئی جس میں چار فساد خیزی ہلاک اور ۵ زخمی ہوئے، اس فائرنگ کو سنٹر کیٹیجی نے حق بجانب قرار دیا۔

پنجاب کے ۲۹ شہروں میں سے ۱۹ میں بقول سر اوڈائٹر، توڑ پھوڑ پوری شدت کے ساتھ ہوئی، بلکہ لاہور سے خفیہ پیغام دہلی کے ریوے ورکرز کو بھیجا گیا کہ وہ ہڑتال کر دیں تاکہ فوج کی آمد و رفت ناممکن ہو جائے۔

امرت سر کے خطرناک حالات کے پیش نظر جنرل ڈائٹر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنا لاؤشکر لے کر فوراً وہاں پہنچ جائیں۔

امرتسر کی خطرانی حالت

گر کیا نامح نے ہم کو قید اچھاویں سہی
یہ جنوں عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا؟

ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری

حالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔

امن کی جگہ اضطراب نے لے لی تھی۔

ہر طرف ایک نامعلوم سی، ایک غیر محسوس سی، ایک استجانی سی سرکیمبی۔

بے چینی اور تشویش و اضطراب کے آثار واضح اور نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔



اگر تیسریں ۳۰ مارچ خیریت سے گزر گئی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال پر دہلی اجتماعی اجتماعات میں تقریر نہ کرنے کا حکم اتنا اعلیٰ نافذ کر دیا گیا۔
 ۵ مارچ کو ایک خفیہ جلسہ ہوا جس میں یہ دونوں بھی شریک ہوئے، ۶ مارچ کو اگر تیسریں مکمل ٹھہرنا شروع ہوئی، بظاہر ہر پرسکون، لیکن طوفان کی آمد آمد ہر وقت متوقع تھی۔

ڈپٹی کمشنر مسٹر مائٹس اردنگ نے ہنر کیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ اس تحریک کے پس پشت جو دماغ کام کر رہے تھے وہ اگرچہ تشدد کے مخالف تھے لیکن حالات اتنے اتنے تھے کہ خود ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ انہوں نے حکومت پنجاب کو جو مراسلہ بھیجا اس میں تحریر کیا تھا، کسی وقت بھی قیامت خیز شورش رونما ہو سکتی ہے۔ فوجی امداد فوری طور پر ملنی چاہیے تاکہ سول لائن کو بچایا جاسکے۔

”یہ میری بہت بڑی غلطی تھی کہ میں نے یہ سمجھ رکھا تھا، میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو راہِ راست پر لاسکوں گا۔ لیکن وہ تو بڑے گہرے ثابت ہوئے بہر حال ہمیں اب اپنی ہی قوتِ باند پر عبور سمجھ کر ناٹھنے پڑے گا۔“



۹ اپریل کو رام نو می کا تہوار تھا، اس میں مسلمانوں نے بھی بیڑے بوش و غروش سے حصہ لیا، جو برطانیہ کی مسلمہ پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو، کا نہایت مجرمانہ جواب تھا۔ مسٹر ارونگ کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے سبیل لگا لگا کر ہندوؤں کے لیے پانی مہیا کیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے پانی لے کر یہاں ہنٹر کیٹی کی رائے میں ہندو مسلم اتحاد کا یہ نہایت مثالی مظاہرہ تھا۔

جلوس نے جب شہر کی گلیوں اور سڑکوں کا گشت کیا تو مذہبی نعروں کے بجائے سیاسی نعروں کے گائے جا رہے تھے۔ لیکن ابھی تک بد امنی کے آثار نہیں تھے۔ بلکہ بغیر کسی مداخلت کے ”بادشاہ کو خدا سلامت رکھے“ کا بینڈ بھی بجاتا رہا، العینہ مسلمان طلبہ ترکوں کی حمایت میں جو انگریزوں کے دشمن تھے ان کے گارہے تھے، لالہ جیون لال سی آئی ڈی انسپکٹر جو مجمع میں ایک تماشائی کی طرح شریک تھا، بیان کرتا ہے کہ اس نے حکومت کے خلاف اشتعال انگیز نعروں نہ سنے۔

مسٹر ارونگ جلوس کے ساتھ گشت کرنے کے بعد جب اپنے ہنگلے پہنچے تو صوبائی حکومت کی طرف سے انہیں حکم ملا کہ ڈاکٹر سیٹھ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو شہر بدر کر کے دسرم سالہ بھیج دیا جائے۔ نیز یہ کہ لفٹیننٹ گورنر پنجاب

مسٹر ادونگ سے متفق ہیں، ہمدردی فوجی امداد کی فوجی کارروائی کی جارہی ہے۔
 اگرچہ ان دونوں لیڈروں کی گرفتاری سے کوئی بیڑہ کا اندیشہ نہیں تھا لیکن
 مسٹر ادونگ نے اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر ضروری سمجھیں کہ کوئی مظاہرہ نہ
 ہونے پائے۔ اور عوام انہیں پولیس کی حراست سے نکال نہ لے جائیں جتنا سچہ
 طے یہ ہوا کہ ڈاکٹر سیتہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو ڈپٹی کمشنر کے بیٹھے پر بلایا
 جائے اور وہیں سے گرفتار کر کے زبردست فوجی پرے کے ساتھ روانہ کر دیا
 جائے، ڈپٹی کمشنر کے بیٹھے، پول، مرکزی عمارتوں، وغیرہ پر کپٹ کا انتظام کر
 دیا جائے، باقی فوج رام باغ میں ہنگامی ضرورت کے لیے موجود رہے۔ اگر بد امنی
 واقع ہوئی تو انگریز مردوں اور عورتوں کے انخلا کا بندوبست بھی کر لیا گیا۔



ڈپٹی کمشنر کی طلبی پر سیتہ پال اور کچلو اس کے بل اپنچ گئے۔ فوراً ان پر ڈیفنس
 آف انڈیارول کے ماتحت ایک حکم نامے پر دستخط کر دیے گئے کہ اسی وقت
 امرتسر چھوڑ دیں۔ دونوں کو الگ الگ کار میں بٹھایا گیا۔ کار ہوا سے باتیں کرنے
 لگی، پیچھے پیچھے فوجی دستے تھے جو شاہ پور تک ساتھ گئے۔ جو دوست کچلو اور
 سیتہ پال کے ساتھ ڈپٹی کمشنر کے بیٹھے پر آئے تھے انہیں اُدو گھنٹے تک
 روکے رکھا گیا۔ پھر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ خبر آگ کی طرح سارے
 شہر میں پھیل گئی۔

اچھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر پلومر کو بند لیو فون کو توڑالی سے اطلاع دی گئی کہ اکیپس پارک میں ایک خلقت دونوں لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ مسٹر پلومر موقع واردات پر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے کیپٹن میسی کو مطلع کیا کہ پولس سے دیوانہ مجمع کشنر کے ننگے کی طرف بڑھ رہا ہے موصوف فوراً مال گیٹ برج پر پہنچے جہاں سے انہوں نے دیکھا کہ ایک انبوہ کثیر دیوانہ وار بڑھا چلا آ رہا ہے اور جو قطعاً قابو سے باہر ہو چکا ہے، اور اس کی تعدادیں لمحہ بلمحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بلٹ اسسٹنٹ کشنر نے مجمع کو واپس جانے کی ترغیب دی لیکن نقار غلے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔

لالہ گیان چند نے کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ جب مسٹر پلومر نے مجمع سے منتشر ہو جانے کی اپیل کی تو مجمع ننگے سر اور ہتھکڑیاں لگا کر زمین پر بیٹھ گئے اور سینہ کو بے کرنے لگے، فوج اور پولیس کے سپاہی ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں پر سوار راستہ روکے ہوئے تھے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے پاس ٹپ سے اینٹوں کے ایک ڈھیر سے اینٹیں اٹھائیں اور گھوڑ سواروں کے ماتھا شروع کیں۔ ایک سوار نے گولی چلا دی جس سے دو آدمی زخمی ہوئے جنہیں فرید بازار کے ڈاکٹر بشیر کے مطب میں مرہم پٹی کے لیے پہنچایا دیا گیا۔

مسٹر کونراک ٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے لفٹیننٹ ڈکی اور ان کے آدمیوں کو گرفتار بلا دیکھ کر فائرنگ کا حکم دیا، مسٹر کونر (MR. CONNER) کا بیان ہے کہ مستقل مجمع قتل و غارت پر کمر بستہ تھا۔ اور کچلو اور ستیہ پال کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، ایک آدمی آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ پیٹنے ہوئے کہا، ہمارے لیڈروں کو رہا کر دو ورنہ ہم مرنے مارنے کو تیار بیٹھے ہیں، ایک دوسرے شخص نے مسٹر کونر سے کہا۔

”حکومت کا وعدہ حکومت خود اختیاری دینے کا تھا۔۔۔ لیکن وہ دے رہی ہے گولیاں۔“



لیکن فائرنگ مسٹر کونر کے بیان کے مطابق نتیجہ خیز رہی۔ مگر پھر اشتعال بڑھا، لوگ اپنے لیڈروں کی گرفتاری اور فائرنگ کے نتیجہ میں مجروحین و ہلاک شدگان کی کیفیت دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے، مسٹر جیکر گانگلیس سب کمیٹی کا ناشر یہی ہے۔ اس مجمع ریلوے سٹیشن اور شہر کی طرف بڑھا، گورا فرج کے سپاہی جو ٹرل پر متعین تھے یہ دیکھ کر شہر در رہ گئے کہ مختلف مقامات شہر آگ کی فیسٹ میں آچکے ہیں۔ دھواں اٹھ رہا ہے۔ شعلے بھڑک رہے ہیں۔ کرنل ہنری اسمتھ (سول سرجن) موتیا کا ایک آپریشن جیلی ہسپتال میں کر رہے تھے کہ ان کا اسسٹنٹ آیا اور اس نے حالات کی اطلاع دی۔ ایک

منٹ میں آپریشن سے فارغ ہو کر انہوں نے فون اٹھایا۔ یہی لائن کٹی ہوئی تھی۔ وہ موٹر ایمبولینس میں بیٹھ کر مشن ہسپتال پہنچے اور وہاں سے انگریز اور ہندوستانی عیسائی عورتوں کو لے کر کینیاں جنگلے میں پہنچا آئے، راستے میں ایک مشن سکول نظر پڑا جس سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

دو انگریز عورتیں شہر میں رہ گئی تھیں، اور خوش قسمتی سے زندہ بچ گئیں لیکن ان میں سے ایک خطرناک طور پر زخمی ہوئی۔

بہت سے انگریز پیٹے گئے، کئی مار ڈالے گئے۔

مشغول اور حواس باختہ مجمع نے نیشنل بینک کو لوٹ لیا اور آگ لگا دی، بینک کے انگریز مینیجر اور ان کے اسسٹنٹ مسٹر اسٹیوارٹ اور مسٹر اسکاٹ سفاک طور پر مار ڈالے گئے۔

لائسنس بینک پر حملہ کیا گیا، اس کے مینیجر مسٹر نظامن نے پستول سے اپنی مدافعت کی، وہ بالکنی سے بٹک پر کود گئے، جہاں لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور بینک کے فرنچیز پر مٹی کا تیل چھڑکا، اور انہیں اس میں ڈال کر آگ لگا دی۔ بینک کی عمارت اس لیے نہیں جلائی گئی کہ ہنٹر کمیٹی کے مطابق وہ ایک ہندوستانی کی ملکیت تھی۔

یہی حشر چارٹرڈ بینک کا ہوا۔

یہ تینوں بینک کو توالی سے نفوڑی دور واقع تھے، پولیس صرف تماشائی

بھی رہی ۔

خان صاحب احمد جان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو تیس سال کے ملازم سرکار تھے ۔
اور محمد اشرف خان سٹی انسپکٹر جن کی مدت ملازمت ۲۵ سال تھی اپنی جگہ سے ہلے
تک نہیں بلکہ اپنی آنکھوں دیکھتے انہوں نے مجمع کو ٹائون ہال بھی خاک کا ڈھیر
کر لے دیا جو کوٹوالی سے ملا ہوا تھا ۔ ہنٹر کمیٹی نے ان دونوں پولیس افسروں کے
دوبارہ سخت نکتہ جبینی کی ہے ۔

مجمع کوٹوالی کے پاس سے ہندو مسلم اتحاد زندہ باد ، افسر ستیہ پال اور کچھلو
کو رہا کرو کے نعرے لگاتا ہوا گزرا ۔ پولیس نے اسے روکنے کی ذرا کوشش نہ کی ۔
تیس ہزار کا مجمع خلاف قانون حبیب ریوے کراسنگ سے چیمپے دھکیلا گیا ،
تو شہر کے مختلف علاقوں میں پھیل گیا ۔ مسٹر ارونگ کے بیان کے مطابق یہ
تشدد پہرہ طرح سے اترا ہوا تھا ۔ ایک گروہ شہر کی طرف مڑ گیا ۔

ایک ٹولی نے ریوے گڑس یارڈ کا رخ کیا ، دوسرا جتھے تار گھر کی جانب
بڑھا ۔ اگرچہ فوج کی جمعیت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن مجمع نے تار گھر کو تہ و بالا کر ڈالا ۔
اور مسٹر رافنس کو قتل کر دیا ۔ جو صرف ایک چھتری سے مسلح تھے ۔

لاہور میں لال سی آئی ڈی انسپکٹر کا کہنا ہے کہ مجمع کے لوگ بیچ رہے
تھے ۔ انگریزوں نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے ، ہم انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے
تاراد ٹیلیفون کے تمام تار کاٹ ڈالے گئے تھے ۔ کئی ٹرمینس پٹری سے تار دی

گئیں۔ اور ریلوے کے متعدد گودام لوٹ لیے گئے۔

اسی اثناء میں ایک بہت بڑا مجمع پل کی طرف بڑھا، مسٹر اردنگ اور مسٹر پلیر
فرجیوں کو لے کر فوراً وہاں آپہنچے اور مجمع سے منتشر ہونے کو کہا۔ شہر کے دو وکیل
میر مقبول محمود اور گردیال سنگھ سلا ریا بھی مجمع سے درخواست کرنے آئے ہوئے۔
لیکن مسٹر سلا ریا کے بیان کے مطابق بغیر کسی وارننگ کے مجمع پر فائرنگ شروع
کر دی گئی، جالا کھیر لوگ اپنے مقتولین و مجروحین کا مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں لے
کر جائیں گے، وہ اور میر مقبول محمود محض ایک معجزہ تھا کہ بچ گئے۔ میر مقبول محمود کا بیان
ہے فائرنگ سے مجمع تتر بتر ہو گیا، لیکن بھاگتے ہوئے لوگوں پر بھی فائرنگ کا سلسلہ
جاری رکھا گیا۔ چنانچہ بہت مقتولین کی پیٹھ میں گولیاں لگی تھیں، مجھے یہ کہنے
میں تامل نہیں کہ یہ فائرنگ قطعاً نا واجب، غیر ضروری اور سفاکانہ تھی، اگر گولیاں
پاتوں پر چلائی جائیں تو بھی مجمع بڑی آسانی سے منتشر ہو جاتا۔
لیکن سنٹر کمیٹی اس فائرنگ کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔

۱۔ بہت قابل اور ذہین انسان تھے۔ اسمبلی کے ممبر رہے۔ بعض ریاستوں میں
ذیر رہے تقسیم ہند تک ایوان والیان ریاست (ریسٹرن جیر) کے سکریٹری رہے تقسیم ہند
کے بعد کراچی میں کاروبار شروع کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں ہلاک
ہو گئے۔ — سردار شوکت حیات خاں ان کے داماد ہیں۔ (مترجم)

میر مقبول محمود کا بیان ہے :-

”یہ ایک معجزہ تھا کہ ہماری جان سلامت رہ گئی۔ میں اب بھی اس سائے پر قائم ہوں کہ اگر حکام نے ذرا تحمل سے کام لیا ہوتا تو ہم مجمع کو پیر امن طور پر واپس کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔“

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حکام نے گارنٹک کا کرنے سے پہلے ایمبولینس کار یا فیسٹ ایڈ کا کوئی بندوبست نہیں کیا، کئی مجروح مرتے سے بچ جاتے اگر بروقت انہیں طبی مدد مل گئی ہوتی۔

”کئی لپ مرگ زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتے ہوئے بڑے مجرور اور دل دوز واقعات میری نظر سے گزرے!“

• نائرنگ • تڑپتی ہوئی لاشیں
• پھینکتے ہوئے جسم • بہتا ہوا انسانی خون

پناہ دہندہ خوش سحر بنجاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کنایا عاشقان پاک طینت را

تماشہ

قیامت کی گھڑی قریب آرہی تھی ۔ !
قریب تر آتی جا رہی تھی !
وہ گھڑی جسے خونِ آشام ڈائرنے " ایک بہت بڑا تماشہ " قرار دیا تھا ۔
یہ تماشہ شروع ہو رہا تھا !
انسانی خون کی ارزانی کا تماشہ !



۱۰ اپریل کو جالندھر میں جنرل ڈائٹر کو ہم نیچے سہ پہر کے وقت خفیہ پیغام ملا کہ مسلح فوجی دستے اسلحہ اور طبیار سے فوراً امرتسر بھیجے جائیں۔
 سوا پانچ بجے مزید اطلاع جنرل ڈائٹر کو بذریعہ ٹیلیگرام بھیجی گئی کہ کشت و خون، بڑا آتش زنی، لوٹ مار اور قتل کا بازار امرتسر میں گرم ہے اور انگریز بد رفتہ ستم پلئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جنرل ڈائٹر نے مطلوبہ امداد سے زیادہ فوجی مدد جالندھر سے امرتسر بھیج دی۔

لیکن کچھ ہی دیر بعد جنرل ڈائٹر کو بذاتہ خود امرتسر جانے کا حکم دیا گیا اور تاکید کی گئی کہ بجائی امن کے سلسلے میں جو کچھ مناسب سمجھیں کریں۔

”ایک بہت بڑا تماشہ بس شروع ہونے والا ہے؟ جنرل ڈائٹر نے اپنے پیٹھ کیپٹن آکون ڈائٹر سے کہا۔ پھر رات کے وقت تاکید کی کہ اپنی ماں اور گھر والوں کا خیال رکھنا!“

۱۱ اپریل امرتسر میں خیریت سے گزر گئی، صبح صبح ڈپٹی کمشنر کو اطلاع ملی کہ ایک بڑا مجمع مقتولین کی لاشوں کی تجہیز و تکفین میں شروع ہونے کے لیے بڑھتا جا رہا ہے۔

ڈپٹی کمشنر نے میٹر قبول محمود اور مسٹر یاسین سے اسٹند عالمی وہ اس اجتماع کو باخبر کر دیں کہ ایک لاش کے ساتھ چار آدمیوں سے زیادہ نہیں جاسکتے۔ کانگریس کی تحقیقاتی سب کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے میٹر قبول محمود نے کہا۔

”ہم نے ڈپٹی کمشنر کے حسب ہدایت مجمع کو اس کا پیام پہنچا دیا، لیکن لوگوں کے تیور بگڑے پورے تھے۔ انہوں نے کہا یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔ ہم مجمع کے چند نمائندوں کو لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس واپس آئے۔ اور ساری صورت حال واضح کر دی۔ صاحب بہادر بہت غصے میں تھے اور فوراً غصہ سے ان کا سارا بدن کا پتہ رہا تھا، انہوں نے چیخ کر کہا۔

”زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارے لوگوں کی لاشیں تل کر کوئلہ ہو گئی ہیں۔ ہم نے انگریز مفلتولین کے لیے اظہارِ افسوس کیا اب تو وہ اور زیادہ چراغ پا ہو گئے اور دھاڑ کر کہنے لگے۔

”اب ہمیں افسوس ہے، حالانکہ ہمیں اس وقت مناسب ہونا چاہیے تھا جب تم اپنے احمقانہ اجتماعات میں شریک ہو رہے تھے آخر وقت آتے والا ہے جب تم

واقعی متاسف منظر آؤ گئے !

ہم نے نرم لہجہ میں چاہیہ دیا۔

”ہم نے کسی امتحانہ اجتماع میں نہ شرکت کی، نہ اس سے مطالبہ کیا۔ اور واپس چلے آئے۔ کرنل اسمتھ اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ مجمع منتشر کرنے کی بہترین تدبیر یہی ہے !“

ڈاکٹر محمد عبداللہ فوق نے اپنے بیان میں کہا۔

”سب پر کوہستان اور کشمیر میں لاشیں ٹھکانے لگ دی گئیں۔ لوگ بدستیر ہم سے کہ قومی شہیدوں کے آخری رسومات ادا کرنے میں بھی وہ آزاد نہیں ہیں !“

کشتہ کیمپ (KITCHIN) اگر تیسرا گئے تھے۔ اب انہیں اطلاع

ملے کہ اگر تیسرا اور تیسرا کے مابین اتاری پیریلوسے لائن کاٹ دی گئی ہے۔ مال گاڑیاں پٹری سے اتار دی گئیں ہیں۔ گورداسپور اور دہلی کے مابین ٹیلیگراف لائن منقطع کر دی گئی ہے۔ دیہاتیوں سے پھرا ہوا مجمع شہر کی طرف لوٹ مار کے لیے بڑھ رہا ہے۔

کشنز نے ہنڈر کیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا۔

”ہمارا پیمانہ صبر ان حالات سے چھلکا رہا تھا۔“

حکومت کی طرف سے فوج ناکے ناکے پر متعین کر دی گئی۔ اور اسے یہ ہدایت کی گئی کہ اگر ہزار آدمیوں سے زیادہ کہیں مجتمع نظر آئیں تو فوراً گولی سے مار دیا جائے۔

شام کو ڈاکٹر بشیر کے مکان پر ایک بڑا اجتماع ہزاروں آدمیوں کا ہوا، ڈاکٹر فوق کا بیان ہے شہر سے باہر انگریزوں کی حکومت تھی، اور شہر کے اندر ہندو مسلم راج تھا۔

جنرل ڈاکٹر حبیب انٹرنس پہنچے تو مسٹر ارونگ نے صاف صاف کہہ دیا، جانتا ہمارے قلوب سے باہر ہو چکے ہیں۔ اب آپ بھی سنبھالیے۔ انہوں نے تنظیم و امن کا پارچ لے لیا۔ ان کے پاس ۵۰۰ انگریز سپاہی، اور ۱۰۰۰ ہندوستانی سپاہی تھے اور ڈیڑھ لاکھ کی آبادی رکھنے والا شہر آبادہ بنا دیا تھا۔

ساتھ سے بارہ بجے رات کو جنرل ڈاکٹر چندر سپاہیوں کے ساتھ کوٹوالی پہنچے اس وقت کوئی جمع نہیں تھا، لیکن عمارتوں میں بواگ لگائی گئی تھی وہ اب تک ساگ رہی تھی۔

دوسرے دن صبح کو جنرل ڈاکٹر نے اعلان کر دیا کہ ہر شخص کسی عمارت کو نقصان پہنچائے گا یا قانون شکنی کرے گا، یا جیلوس اور جیلوس میں جمد لے گا، اس کے

امرت سر کے روزنامہ چنگ (CHANG DIARY) کے مطالعہ سے

معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو غارتگ کے بعد مجمع منتشر ہو گیا۔

۱۹۵۰ء لاؤنڈ ہاؤس کے لئے

۳۰۰ کے قریب منتقل و مجروح ہائے

شہر پر خاموشی طاری تھی، اور اس رات جب جنرل ڈائرن نے گفت کیا تو ایک

متنفس بھی نہیں دکھائی دیا۔ اور یہ ممکن کس طرح تھا کہ کوئی متنفس دکھائی دیتا۔

کیا قبرستان میں زندگی چلتی پھرتی دکھائی دے سکتی ہے؟ کسی دیرانے

میں وہ رونتی کہاں ہو آبادی میں منتظر آتی ہے؟

اور ڈائرن اس شہر کی آبادی کا صفایا کرنے پر تیار تھا۔!

ڈائرن جو رگم کرنا نہیں جانتا تھا۔!

ڈاکٹر صاحب اپنے وطن میں نہ رہ سکے، چونکہ پاکستان کے مخالف تھے لہذا لاہور کے

بجائے دہلی جا کر بس گئے، گھر چھوڑا، ساز و سامان لٹا، لیکن کانگریس نے بھی نہ ملی۔

دو سال ہرے دہلی میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد تعزیت کے لئے جواہر لال نہرو

ڈاکٹر صاحب کے غریب خانے پر چڑھنا کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

کشتہ غمزہ خود را بر من ساز آمد!

(مترجم)

مارشل لا

امرتہ ہر کے سنتے شہریوں پر گولی چلانے، اور انہیں خاک و خون میں تر پانے
 کے بعد بھی، خون آشام ڈائری کو تسلی نہیں ہوئی،۔
 وہ ابھی اور ظلم توڑنا چاہتا تھا!
 اسی نے تنوار میان میں کر لی مٹی، لیکن کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔
 وہ کوڑے سے تنوار کا کام لینا چاہتا تھا۔





یوں تو جلیان والا باغ کے المیہ کی اطلاع لاہور فوراً ہی پہنچ گئی تھی لیکن
 پھر اپریل کو مسٹر ویٹھن (MR. WAYTHEN) پرنسپل خالصہ کالج امرتسر اور
 مسٹر جیکب آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر امرتسر کا خط لے کر لاہور وارد ہوئے، سر ڈائٹر
 اور مسٹر کیچن نے ساتھ ساتھ و فوراً اشتیاق سے بے بس ہو کر اسے پڑھا، مسٹر
 اردنگ نے لکھا تھا۔

حکم امتناعی کے باوجود جلیان والا باغ میں جلسہ عام کا اعلان
 کیا گیا۔ جنرل ڈائرنے کہا۔ میں اس جلسے میں جاؤں گا، میرا
 خیال تھا اول تو یہ جلسہ ہوگا نہیں اور اگر ہوا بھی تو آسانی سے
 منتشر ہو جائے گا، لہذا میں جنرل سے اجازت لے کر قلعہ چلا
 گیا۔ وہاں مجھے کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ جلسے میں پابند ہزار سے
 زیادہ لوگ موجود تھے، اور بغیر کسی انتباہ کے فوج نے بے تحاشہ
 گولی چلائی۔ جس کا سلسلہ دس منٹ تک جاری رہا، اور تقریباً
 دو سو آدمی ہلاک ہوئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں موقع واردات
 پر موجود نہ تھا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جمع کو منتشر کرنے
 کے لئے زیادہ سے زیادہ سختی کی گئی، اس کا رزوائی کا میں تصور

بھی نہیں کر سکتا تھا !



پنجاب کے لفٹیننٹ نے جنرل ڈائریکٹس اس اقدام پر کسی طرح کا اظہار خیال نہیں کیا، لیکن ہنٹر کیٹی کے سامنے انہوں نے کہا۔

یہ موقع بحث و اعتراض کا نہ تھا، میں نے جنرل ڈائریکٹس اقدام کو سراہا۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف امرتسر کو باغیوں سے بچالیا تھا بلکہ بغاوت کی بغاوت بھی فرو کر دی تھی۔



۱۳ اپریل کو جنرل بنین (BEYRON) اور چیف جسٹس ہائی کورٹ امرتسری ریڈگین (SIR HENRY RATTIGAN) سے مشورہ کرنے کے بعد لفٹیننٹ گورنر مرہٹنکل اوڈائریکٹس نے حکومت ہند سے بذریعہ ڈائریکٹس مارشل لاء نافذ کرنے کی اجازت طلب کی جو فوراً دے دی گئی اور پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

۱۹۳۵ء میں مرہٹنکل اوڈائریکٹس نے انکشاف کیا کہ ۱۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو شملہ سے وزارت داخلہ کے ایک ذمہ دار افسر نے فون پران سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

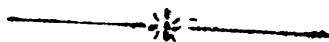
”اگر فائرنگ کرنا ہی پڑی تو وہ مثالی ہوگی !“



گوہر الزامہ کے حالات بھی امرتسر کی طرح قابو سے باہر ہو گئے مگر فوج
 اتنی تعداد میں نہ تھی کہ بھیجی جاسکتی۔ چنانچہ سٹے یہ ہوا کہ تین طبیارے بھیجے جائیں
 اور یہ شورش پسندوں پر مشین گن چلائیں، بمباری صرف اس وقت کی جائے،
 جب ناگزیر ہو جائے۔

کیپٹن کاربری (CARBERRY) پہلا طبیارہ ساہجہ کراڑے۔ انہوں نے
 ایک مجمع پر دو بم پھینکے، پھر نیچی پرواز کرتے ہوئے مشین گن چلائی۔
 ہلاک شدگان میں ایک عورت بھی تھی اور ایک بچہ بھی۔ کچھ آدمی زخمی بھی
 ہوئے۔

ہنٹر کیٹی نے اس بمباری کا روایتی کوئی اثر قرار دیا، کیونکہ انگریزوں کی جان
 بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔
 ۱۶ اپریل کے بعد نہ کوئی بلوہ ہوا، نہ کہیں فائرنگ کی گئی، جلیانوالا باغ
 کے واقعہ نے بمباری شورش ختم کر دی تھی۔



ہنٹر کمیٹی کے سامنے گواہی دیتے ہوئے، سرما مکمل اوڈائر لفٹیننٹ گورنر
نے کہا۔

”یہ بات بغیر کسی قائل اور تذبذب کے میں کہہ سکتا ہوں کہ جنرل ڈائر
کا یہ اقدام ————— جلیان والا باغ میں فائرنگ —————
بغاوت (اور غدروہ بھی) کچلنے میں فیصلہ کن ثابت ہوا!“
ورنہ نہ جانے کیا ہوجاتا

۱۔ اس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ صرف پریسڈنسی کا حاکم اعلیٰ گورنر کہلاتا تھا۔
باقی صوبوں کے حکمرانوں کو ”لفٹیننٹ گورنر“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔
پریسڈنسی چار تئیس سارے ہندوستان میں۔

(۱) برما

(۲) بنگال

(۳) بمبئی

(۴) مدراس

برما اس وقت تک متحدہ ہندوستان میں شامل تھا۔

(مترجم)

مارشل لائیں لوگوں پر کیا گزری!

اب امرتسر میں مارشل لا نافذ تھا!

فوجی راج!

انگریزی فوج کا راج!

اس راج میں وہ رہی سہی کسر بھی پوری کر لی گئی جو فائزرنگ کے وقت باقی رہ

گئی تھی!

جوش انتقام عروج پر تھا۔

اور انتقام لینے کا بہترین طریقہ تھا مارشل لا!



۱۵ اپریل سے انٹرنیشنل مارشل لا نافذ ہو گیا، جنرل ڈائراپڈ منسٹر ٹر
مقرر ہوئے۔

ہنٹر کمیٹی نے سخت الفاظ میں جنرل ڈائراپڈ منسٹر کے اس حکم پر تنقید کی ہے جس
کی رو سے ایک خاص گلی میں لوگوں کو رینگ کر چلنا پڑتا تھا۔

جنرل ڈائراپڈ منسٹر نے ایک حکم صادر کیا تھا کہ کوچہ کوچہ اور سڑکیاں والا بند کر دیا جائے، ہمارے
مس شیزوڈ کو ایک مجمع سے میری طرح زرد کو بکایا تھا۔ اور جب انہوں نے پتہ
پتہ کے لیے ایک گھر میں داخل ہونا چاہا تو اس کے دروازے بند کر دیے گئے
اور کسی نے ان کی مدد نہیں کی۔

یہاں ایک کٹھن ان لوگوں کے لیے بنایا گیا، جنہیں مزار کے تازیانہ دینا تھی اور
جو اس حادثے کے ذمہ دار تھے۔ فوجی پہرہ گلی کے ہر ٹکڑے پر بٹھا دیا گیا اور حکم
دیا گیا جو یہاں سے گزرنا چاہے وہ رینگ کر گزرے، چند روز بعد لفٹیننٹ گورنر
کی مداخلت پر یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ اس سروسے میں چالیس سچا من آدمی یہ
ننگ گوارا کر چکے تھے۔

کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے، کنصیا لال نے کہا۔
مجھے بندوق کے کندے مار مار کر پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا،

میں سانس لینے کے لیے رک جاتا تو سپر ہٹائی ہوتی۔ بوڑھوں اور اندھوں اور اناجوں کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ بھنگیوں نے اناج چھوڑ دیا تھا لہذا یہ گلی گندگی کا پٹا رہ گئی تھی، یہاں کے رہنے والے لوگ ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے بھی باہر نہیں جاسکتے تھے۔

ڈاکٹر کے اس فعل کو اُسرا نے ہند لارڈ جمیس فورڈ نے بھی سخت ناپسند کیا تھا۔ اور حکومتِ ہند نے اسے "نامناسب"، قرار دیا تھا۔

لاہور اور امرتسر وغیرہ کے یورپین یقین رکھتے تھے کہ ان کے قتل عام میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ وہ صرف جنرل ڈاکٹر تھا جس نے اپنے بروقت اقدام سے انہیں بچا لیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ فرٹھی سامراج کے ملاحوں نے فرنگیوں سے زیادہ جنرل ڈاکٹر کو سراہا اور مانا !

جزل ڈائر سے سکھوں کی عقیدت

یہ عجیب و غریب تاریخی حقیقت عبرت ناک بنی ہے اور سبق آموز بھی کہ مسیح سے زیادہ نقصان انگیزیوں نے سکھوں کو پہنچایا، لیکن سکھ ہمیشہ ان کے عقیدت کیش، نیاز مند اور فدائی بنے رہے۔

مسٹر (RUPERT FURNEAUX) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔
جزل ڈائر نے سکھوں کو اپنا اتنا زیادہ گرویدہ بنا لیا تھا کہ گولڈن ٹمپل میں اس کے لیے ایک خاص تقریب منعقد کی گئی اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ سکھ مذہب قبول کر لے لیکن اس نے کہا کہ نہ میں بال بڑھا سکتا ہوں نہ تمباکو نوشی ترک کر سکتا ہوں اسے

ان قیود سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور خاموش ہو گیا۔

بعد میں جب حکومت ہند اور حکومت افغانستان کے مابین جنگ کا امکان پیدا ہوا تو بعض سکھ ایڈروں کی طرف سے دس ہزار سکھ سپاہیوں کی اس شرط کے ساتھ پیش کش کی گئی کہ ان کا سپہ سالار جنرل ڈائری ہوگا۔

کہیں ڈائری سے سکھوں کی یہ عقیدت مسلم دشمنی پر تو مبنی نہیں تھی!

قصور درند کے سید کیسے چھٹا کھلتے

حقیقت اور امر واقعہ یہ ہے کہ ڈائری نے جو دستم، سفائی اور خون آشامی
 درندگی اور بہیمیت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا،
 اس نے دنیا کو بتا دیا کہ انسان جیب جامہ انسانیت انا دیتا ہے تو وہ
 درندوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔
 بلکہ درندے بھی اس سے شرمانے لگتے ہیں !



بہر حال بلوہ، لغاوت، شورش جو کچھ بھی نام رکھا جائے ختم ہو گئی، بلکہ کچھل
 دی گئی، لیکن ابھی خطا کاروں کو سزا دینے کا کام باقی تھا۔
 کانگریس سب کمیٹی کے سامنے جو بیانات دیے گئے، ممکن ہے وہ مبالغہ
 آمیز ہوں، اس لئے کہ وہ حدودِ رجسٹر سفاکانہ مظالم کی نشان دہی کرتے ہیں۔
 لیکن خود منسٹر کمیٹی نے اسے تسلیم کیا ہے کہ مارشل لا، حکام نے نہایت
 نامناسب، غیر انسانی اور وحشیانہ طریقے استعمال کیے۔ یہ کوئی دشمن ملک
 نہ تھا جسے فتح کیا گیا ہو۔ اپنا مقبوضہ تھا۔ یہاں مارشل لا کا استعمال اس طرح
 ہونا چاہیے تھا کہ کم سے کم تلخی اس کے بعد باقی رہتی۔

سنارے تازیانہ کی تفصیل جو مارشل لاء کے تحت دی گئی ہے

لاہور	۸۰
قصور	۸۵
گوہرانوالہ	۶۰
گجرات	۳۲
امرتسر	۳۸

شروع شروع میں سنارے تازیانہ مجمع عام میں دی بھاتی تھی لیکن وائسرائے کی مداخلت سے بند کر دی گئی۔

۵۸۱ لوگوں پر بغاوت کے الزام میں لاہور میں مقدمہ چلا ۱۰۸۷ کو موت کی سزا ملی، ۲۶۵ کو جیس دوام بعبور دریا سے شور کا حکم ہوا، ۵ کو دس سال کی سزا دی گئی، ۸۵ کو سات سال کی باقی کو مختلف مختصر عبادتوں کی، صوبائی حکومت نے ۲۳ لوگوں کی سزائے موت بحال رکھی۔ باقی کی سزائیں تخفیف کر دیں، جو کالے پانی سے لے کر پانچ سال تک کی سزا تھی۔

۱۹۱۹ء کے آخر میں بادشاہ کی طرف سے عفو عمومی کا اعلان ہوا، جس کے باعث بہت سے لوگ رہا کر دیے گئے۔ کئی مارشل لاء فیسروں پر پھانسی کی گئی ان کے ظالمانہ رویہ کے خلاف سخت تنقید کی۔

قصور کے ایک سکول کے طلبہ پر پڑ کر رہے تھے، انہیں سنارے تازیانہ دی

گئی کہ ان میں سے چھ لڑکے جو بڑے ہوں، چُن لیے جائیں اور انہیں بید مارے جائیں

ایک ہیڈ مین کو ایک درخت سے باندھ کر بندرہ کوڑے اس لیے مارے گئے کہ اس نے ٹیلی گراف تار کاٹنے کی اطلاع سرکار کو کیوں نہیں دی۔ بعد میں معلوم ہوا جہاں یہ واقعہ ہوا تھا یہ ہیڈ مین وہاں کا سرے سے تعلق ہی نہیں جن لوگوں کے مکانات کی دیواروں پر لاہور میں مارشل لا سے متعلق اعلانات چسپاں کیے گئے یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ شب و روز چوکس ہو کے دیکھتے رہیں کہ انہیں کوئی نوجوان یا بچہ اڑتا تو نہیں ہے؟ بصورت دیگر ذلت آمیز سزا بھی انہیں دی گئی،



کرنل جانسن نے سنٹرل کیٹی کے سامنے اقرار کیا کہ دھرم کا لچ کے اساتذہ اور طلباء کو تین میل دوڑا کر دن بھر دھوپ میں اس لیے کھڑا رکھا گیا کہ وہاں مارشل لا کا پوسٹر بچاڑ دیا گیا تھا۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کچھ طلباء کو امیل دوپہر کی دھوپ میں پیدل چلایا تو انہوں نے احتجاج کیا: "جی نہیں! سولہ میل!" ملک محمد حسین نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ ایک فوجی افسر نے انہیں مارا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے انہوں نے اس کی ضرب ہاتھ پر روکی۔ اس جرم میں وہ گرفتار کر لیے گئے اور بیس کوڑے لگائے گئے۔

میان اللہ بخش کا بیان ہے کہ جب مجمع عام میں بید کی سزا دی جاتی تھی، تو انگریز خوش ہو کر چہچہاتے تھے: "اور مارو، زیادہ زور سے کوڑا لگاؤ،" اور انگلش لیڈیاں مسکرا کر سزائے تازیانہ پانے والوں کی چیخیں سنتی تھیں۔
 قصور کے قریب ایک بارات کی بارات پکڑ لی گئی کہ اس نے کرفیو توڑا تھا۔
 اور سب کو سزائے تازیانہ دی گئی۔

الٹے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحشیانہ اور ظالمانہ سزائیں دیتے
 میں صرف جنرل ڈائر ہی فرد فرید نہیں تھے۔ ان کے رفقا بھی ان سے کم نہ تھے۔
 اور ایسا ہوتا بھی کیوں؟ درخت اپنے پھل ہی سے تو پہچانا جاتا ہے؟

ڈاکٹر: ایک ہیرو

امرت سرپس گولی چلا کر ڈاکٹر نے بہت بڑی خدمت انجام دی تھی،
انسانیت کی نہیں، برطانوی سامراج کی!
اور اس خدمت کے صلے میں اسے اپنی قوم کی طرف سے تبریک و تحسین
کے خلوص اور محبت سے بھرے ہوئے تحفے بھی ملے۔



لانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی نے جلیانوالہ باغ کے حادثے کو اثرات و نتائج
کے اعتبار سے ”ڈرامائی، اور پکرا دینے والا قرار دیا ہے!“

سوال یہ ہے کہ ڈاٹر کے اقدام سے شورش پیدا کی یا کسی بغاوت کو کچلا ؟
 سر مارٹن اڈاٹر نے اس شورش کا سلسلہ جنگ افغانستان دہائی ۱۹۱۹ء سے
 ملایا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک منظم سازش تھی، جس کا مقصد افغان حملہ آوروں
 کا استقبال کرنا تھا، یہ "ماسٹر پلان" ، ڈاٹر نے ناکام بنا دیا۔
 لیکن جیسا کہ خود اڈاٹر نے بتایا ہے ہنٹر کمیٹی نے پنجاب کی شورش اور
 حملہ افغانستان میں کسی طرح کا ربط ماننے سے انکار کر دیا۔

ڈاٹر کے سراغ نگار مسٹر کو لون (COLVIN) کا بیان ہے کہ ڈاٹر نے
 ۱۹۱۹ء میں جنگ افغانستان سے جب کامیاب واپس آیا تو کمانڈر انچیف سر چارلس
 مونرو (MONRO) نے اسے مبارک باد دی، جس میں اس کے افسر کے اقدام
 پر کسی طرح کی بد اعتمادی کا اظہار نہیں تھا۔ چونکہ اس کی قسمت خراب تھی لہذا سر چارلس
 مونرو نے اسے اس دن کی چھٹی دے کر تبادلہ آب و ہوا کے لئے ڈاوسز جانے کی
 اجازت دے دی۔

۱۷ اگست کو ڈاٹر شملہ میں طلب کیا گیا جہاں سر چارلس مونرو نے اسے حکم دیا کہ وہ
 امرت سر سے متعلق ایک تحریری رپورٹ پیش کرے، اس سے اس کے دل میں
 کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا کیونکہ پارلیمنٹ میں بیان جینیم موسے وزیر ہند مسٹر مانیٹگو
 نے بھی پنجاب کی شورش کو "بغاوت" سے تعبیر کیا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ آگ ٹھنڈی
 ہو جانے کے بعد ٹائرنگ کی تحقیقات کا وعدہ بھی کیا تھا۔

ڈائری اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ فائبرنگ کے اقدام کو ایک طرف تو اتنا سراہا جائے گا، دوسری طرف اسے اور اس کے مسامحیوں کو تحقیقاتی کٹھنری میں کھڑا کر دیا جائے گا، یہ مسٹر کولون کے تاثرات ہیں، وہ مزید کہتے ہیں۔



”بہر حال اپنے اقدام و عمل پر مطمئن، ڈائری شملہ سے ڈھونڈی پہنچا اور رپورٹ تیار کرنا شروع کر دی۔ ڈائری کو پتہ بھی نہیں تھا کتنے طاقتور عناصر اس کے خلاف معروف چمد و عمل ہیں۔“

مسٹر لیونارڈ موسلے نے اپنی کتاب ”بحرطالوسی راج کے آخری دن“ میں لکھا ہے۔

پنجاب میں مارشل لا دھیس طرح نافذ ہوا اور جس طرح سینکڑوں بیانیہ صنائع ہوئیں، اس نے ان لوگوں کو بھی جو برطانیہ کے دل سے وفادار تھے بد گمان کر دیا اور وہ سمجھنے لگے کہ ان کی جان کتنی بے وقعت ہے۔ وہ بھیڑ بامری کی طرح ہر وقت اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ذبح کیے جاسکتے ہیں۔ اس المیہ نے کانگرس میں ان لوگوں کو بھی پہنچا دیا جو کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے تھے۔

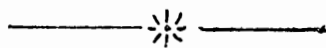
یہ بات حکومت، برطانیہ اور حکومت ہند نے بھی محسوس کر لی۔ چنانچہ عوامی جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور روشے ہوؤں کو منانے کی تدبیریں سوچنی پڑیں۔ پھر یہ

بات، بھی تھی کہ ”مانیگوجیسے فورڈ اصلاحات سیاسی، کے نفاذ کا وقت قریب آ رہا تھا۔ جس کے لیے ہندوستانیوں کا تعاون درکار تھا۔

جنرل ڈائرنے ڈھوڑی میں اپنی رپورٹ تیار کی۔ اس نے رپورٹ میں وہی باتیں لکھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ڈائرنے اپنی رپورٹ میں اور بھی بدنت سی باتیں لکھی تھیں، مثلاً -

”ہم میں شجاعت خوف کی شدت ہی پیدا کرتی ہے۔ میں نے اسی نقطہ نظر سے صورتِ احوال کا جائزہ لیا۔ میری فرض اور فوجی جبلت کا تقاضا یہ تھا کہ بے تاثر گوئی چلا دوں، ایسا نہ کرتا تو ہماری حکومت ختم ہو جاتی اور ڈنڈا راج صوبے میں قائم ہو جاتا۔ سوال صرف یہی نہیں تھا کہ خلافِ قانون مجمع منتشر کیا جائے بلکہ فوجی نقطہ نظر سے ضروری تھا کہ حاضرین ہی کو نہیں ان کے باہر کے ہم نواؤں اور ہم خیالوں کو بھی سبق دیا جائے لہذا نا واجب تشدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، چنانچہ میرے اس اقدام کی توثیق و توصیف میں باشندگانِ پنجاب کی بڑی تعداد رطب اللسان تھی جو ہزار ہا ہزار پر مشتمل تھی۔ میرے اس اقدام میں تعجیل کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میرے پاس سپاہی کم تھے۔ اگر میں مجمع کو سنبھلنے کا موقعہ دیتا تو ہم خود جان سے ہاتھ دھو

بیٹھتے۔ اور پھر سارا ہندوستان آگ اور خون کی لپیٹ میں آجاتا
انگریزی میجر ٹریٹوں، میڈنپیل کوئٹلوں اور شہر کے دوسرے
سربراہ اور وہ لوگوں اور تاجروں نے میرے اقدام کی مدح و تحسین
کی اور کہا کہ اس طرح میں نے نہ صرف امرتسر کو، نہ صرف پنجاب
کو بلکہ سارے ہندوستان کو مکمل تباہی اور خونریزی سے بچالیا،



اپنی رپورٹ میں ڈائری نے مزید لکھا۔

» ۸ مئی کو یہ سلسلہ جنگ افغانستان میں اپنا اور پتہ چکا، اگر اپریل
میں امرتسر اور پنجاب کا امن میں نے یہ زور قوت نہ قائم کر دیا ہوتا
تو مواعلات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو چکا ہوتا؛

ڈائری نے یہ رپورٹ شملہ بھیج دی اور حالات کا انتظار کرنے لگا۔

وہ مطمئن اور بے فکر تھا۔

وہ ایک ہیرو بن چکا تھا، جس نے پنجاب کو بچالیا، اور ہندوستان کو ایک
دوسرے غدار سے محفوظ رکھا،

اس نے ثابت کر دیا تھا کہ لاکھوں ہتھیاروں کا، مٹی بھر مسلح سپاہیوں کا
بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

طوفان کی آمد آمد

ڈائری اپنی جگہ مطمئن تھا،
 اسے اپنے کارناموں پر فخر تھا!
 وہ انعام کا متوقع تھا!
 لیکن حالات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہے تھے،
 آسمان کی گردش ایک نئے — اور شاید ہولناک بھی — طوفان
 کی آمد آمد کا پتہ دے رہی تھی!



اکتوبر ۱۹۱۹ء کو حکومت کی طرف سے لارڈ منسٹر کی عداوت میں تحقیقاتی کمیٹی قائم ہوئی جس کے سات ممبروں میں ایک مسلمان (صاحبزادہ سلطان احمد) منظم الدولہ، ایم اے کنٹیبن، بیرسٹر ایٹ لاء، وزیر حکومت گوالیار، دہندو اور چار اٹھینیر تھے۔

اسی اثناء میں ڈائریکٹری ڈیوٹی پر واپس آگیا۔ اور راولپنڈی کے قریب چکلالہ میں متعین ہوا۔

ایک ماہ کے بعد اسے پشاور تبدیل کر کے جبرود بھیج دیا گیا جس سے اس نے یہ نتیجہ — بقول اس کے سوانح نگار منسٹر کو لون کے — نکالا کہ کمانڈر انچیف کو نہ صرف اس پر اعتماد ہے، بلکہ وہ اس کے مشکور بھی ہیں۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں ڈائریکٹ کے اقدام کے خلاف بڑی لے دے ہوئی، لیکن ڈائریکٹ کے افسر اعلیٰ اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر، نیز سرکاری حکام

یہ صاحبزادہ آفتاب احمد کے بھائی تھے اور مہاراجہ گوالیار کے وزیر اور متمدن خصوصی۔ (مترجم)

والانقام کی طرف سے برابر اس کے اقدام و عمل کو سراہا جاتا رہا، اور اس کے گن گائے جاتے رہے کہ یہ وہی تھا جس نے ہندوستان کو ایک نئے عہد سے محوِ قلم رکھا تھا اور پنجاب میں بغاوت برپا نہیں ہونے دی تھی۔

جب تحقیقاتی کمیٹی تقرر ہوئی تو بھی اسے اطمینان دلایا گیا کہ اس کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔

قدرت کی چمکی جو بہت دیر میں چمکتی ہے
لیکن پارکس چمکتی ہے

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں ہے گا
مگر میں قاتل کی تو بھی ظالم ہمیشہ کو ہی نہیں رہے گا

قاتل کی سراسیمگی

بے شک ڈائرنے جو کچھ کیا تھا، اس کی تائید میں وہ اپنے پاس دلائل کا انبار بھی رکھتا تھا۔

اور اس کا خیال تھا کہ ان دلائل کے قبول کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان کا توڑ کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

لیکن جب وہ حکومت کی قائم کی ہوئی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا تو اس پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی، وہ حوصلہ ہار گیا !



ہنٹر کمیٹی نے دہلی میں آٹھ دن تک شہادتیں قلم بند کیں، ۲۹ دن اس نے لاہور میں صرف سیکھ، اور تین دن بمبئی میں، سرٹیکل اوڈائر جنرل ہنسن اور سرخر حیات خاں نے جو حکومت پنجاب کے پرجوش حامی تھے، بند کرے میں گواہی دی، لیکن ان پر جرح پبلک طور پر ہوئی۔

۹ نومبر کو جنرل ڈائر کو کمیٹی کا سامنا لاہور میں کرنا پڑا۔ لیکن اس موقع پر حالات اتنے بدل چکے تھے کہ یہ یارو مددگار تھا۔ بقول اس کے سوانح نگار کے نہ کوئی دوست تھا نہ کوئی وکیل۔

جنرل بیٹن تک کسی حد تک تذبذب ہو چکے تھے جو اس کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ پھر بھی انہوں نے اس سے کہا۔

”کمیٹی کے سامنے بیان دینے وقت محتاط رہنا، سچ بولنا، بحث و گفتگو میں نہ الجھ جانا، تمہیں بڑے ماہر اور زبردست تین ہندوستانی قانون دانوں سے

لے یونیٹ پارٹی کے لیڈر ملک سرخر حیات خاں ٹوانہ سابق وزیرِ اعظم پنجاب کے والد ماجد۔ (مترجم)

مقابلہ کرنا ہے۔

ڈاٹر نے جواب دیا۔

”مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے۔“

اور یہ کہہ کر وہ کمیٹی روم میں چلا گیا۔

اسے وکیل کر لینے کا مشورہ بھی دیا گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنے کیس کی خود

پیروی کرنے کو ترجیح دی۔

جنرل بیٹن کی رائے میں یہ تحقیقاتی کمیٹی نہ بنی مجلس اقتساب تھی۔

سرماکل اور ڈاٹر نے گواہی دینے کے بعد کہا۔

”میرے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ایک مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔“

ڈاٹر نے کمیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا وہ اضطراب فکر کا ائینہ دار تھا

اس کی سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کا شریک کار برگس جو ہر مرحلے میں ساتھ

تھا بیمار پڑا تھا۔ اس سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی تھی۔ اور جب جرح کا وقت آیا تو

کمیٹی کے ہندوستانی ممبروں نے اس سے کئی ایسی باتیں اگلوالیں جو اس کے اور

اس کے بیان کے خلاف پڑیں۔

سرچین لال سہیلو اد نے سوال کیا۔

”آپ اپنے ساتھ دو آرمرڈ کاریں لے گئے تھے؟“

”جی ہاں جناب!“

”یہ کاریں مشین گن سے لیس تھیں؟“

”جی ہاں جناب۔“

”اور آپ کا یہ ارادہ تھا کہ ان مشین گنوں کو مجمع پر استعمال کریں گے؟“

”جی ہاں! بشرط ضرورت!“

”جب آپ جلسہ گاہ پر پہنچے تو اپنی آرمرڈ کاریں اندر نہ لے جاسکے کہ راستہ

تنگ تھا، کیا واقعی؟“

”جی۔“

”مذہب فرض کیجیے راستہ فراخ ہوتا اور آپ آرمرڈ کاریں ساتھ لے جاسکتے تو آپ

مشین گن سے فائرنگ کرتے نا!“

”یقیناً۔“

”اس صورت میں مقتولین و مجروحین کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوتی۔“

”بلاشبہ!“

”اور آپ مشین گنیں صرف اس لئے نہ استعمال کر سکے کہ راستہ تنگ تھا؟“

”یہی سمجھ لیجیے۔“

”آپ مشین گن فوراً جھونک دیتے؟“

”جی ہاں۔“

”کیا آپ کا اس اقدام سے یہ مدعا نہیں تھا کہ نہ صرف امرتسر کو بلکہ پورے پنجاب کو دہشت زدہ اور ہراساں کر دیں۔؟“

”میرے مدعا کے لیے جو الفاظ چاہیے، استعمال کیجیے، بہر حال میں باغیوں کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا تھا۔“

”کیا برطانوی راج خطرے میں پڑ گیا تھا؟“

”جی نہیں، برٹش راج بہت طاقتور ہے اسے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا، میں تو صرف یہ چاہتا تھا، غدر نہ برپا ہو۔“

ڈائری جرج کے ایسے پھندے ڈالے گئے کہ اسے یہ اقرار بھی کر لینا پڑا کہ جو لوگ زمین پر بیٹھ یا لیٹ گئے تھے ان پر بھی اس نے فائرنگ کر لی، اور زخمیوں کی امداد کا کوئی بندوبست اس نے نہیں کیا۔

پھر ڈائری کو نیڈرٹ جگت ٹرائن کی جرج کا سامنا کرنا پڑا۔

جگت ٹرائن نے ایسے نائیر توڑ سوالات کیے کہ ڈائری کو تسلیم کرنا پڑا کہ ۱۰ اپریل کے بعد امرتسر میں کوئی بلوہ یا مہنگامہ نہیں ہوا تھا جس سے لازمی تاثر یہ پیدا ہوا کہ ۱۳ کو اس نے جو فائرنگ کی وہ سراسر ناواجب اور بغیر ضروری ہے۔

۱۴ بعد میں اودھ چیف کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ (مترجم)

صاحبزادہ سلطان احمد خاں کی جرح اور پے درپے سوالات سے بھی ڈانٹ کو وہ
باتیں ماننا پڑیں جو اس کے خلاف جاتی تھیں۔

اس نے بہت سے ایسے اعتراف کیے جو اس کے لیے نقصان دہ تھے
اس نے اعتراف کیا کہ وہ فائرنگ کے بغیر بھی جمع منتشر کر سکتا تھا لیکن اگر
ایسا کرتا تو ہدف استہرا بن جاتا۔

اس نے یہ اقرار بھی کیا کہ اس نے جو منادی کرائی تھی وہ سب لوگوں تک نہیں
پہنچ سکی۔

اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ بغیر وارننگ کے اس نے فائرنگ کی اور دس منٹ
تک جاری رکھی کیونکہ مقدمہ سبق دینا تھا، دہشت پیدا کرنا تھا۔
وہ اس سے بھی انکار نہ کر سکا کہ فائرنگ اس نے مجبور ہو کر نہیں کی بلکہ
عمداً کی۔

کانگریس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ

ڈائریکٹر پھر جالندھر واپس آ گیا۔

دل گرفتہ و بدحواس، سراپا اضطراب!

اس کی بیوی سونت بیمار تھی۔

اس کا محب صادق کیپٹن برکس وفات پا چکا تھا۔

خود ڈائریکٹر قان اور گھٹیا ہیں مبتلا تھا۔

عمر کی ۵۵ منزلیں اس نے بڑی شان سے طے کر لی تھیں۔ اور اب۔!

اس نے انگلستان جانے کے لیے چھ مہینے کی رخصت طلب کی۔

لیکن کمانڈر انچیف نے یہ درخواست مسترد کر دی، ساتھ ہی ساتھ اسے ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دوسرا حکم ملا جس کی رو سے اسے ایک ڈوئٹرن کا کمانڈر بنادیا گیا تھا۔ ہنٹر کیٹی کے سامنے پیش ہونے کے دو مہینے بعد یہ ترقی عطا ہوئی جس سے اس کے حامیوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ فوجی ہائی کمان کو اس پر اعتماد کامل ہے۔ لیکن فروری میں یہ ترقی ختم ہو گئی۔

۳۰ جنوری اور ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء کے درمیان اس تغیر احوال کے اسباب کیا تھے؟ کمانڈر انچیف ان سوالات کی تاب نہ لا سکا جو المیہ امر تسر کے بعد ڈائر کی ترقی سے متعلق اس سے کونسل میں کیے گئے تھے۔

۱۔ والسٹرائے کی انگریز ٹیڈ کونسل کے دوسرے ممبروں کی طرح کمانڈر انچیف بھی مرکزی مجلس قانون ساز میں اپنے حکم سے متعلق سوالات کا جواب دیتا تھا۔ یہ سلسلہ کم و بیش ۱۹۲۹ء تک جاری رہا۔ پھر ایک مرتبہ وٹل بجائی ٹیل (سروار ٹیل کے بجائی) نے جو صدر مجلس قانون ساز تھے کمانڈر انچیف کو پٹکارا، جس سے وہ بہت برا فروختہ ہوا۔ لیکن جب سر ٹیل نے کئی مرتبہ بحیثیت صدر کے اس کی نخواست کو لاکارا تو وہ تاب نہ لا سکا اور اس نے اجلاس میں شرکت ترک کر دی۔ البتہ والسٹرائے کی انگریز ٹیڈ کونسل میں بحیثیت ممبر کے شریک ہوتا رہا۔ پھر انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت اسے نہ کونسل سے سروکار رہا، نہ اسمبلی سے! (مترجم)

حکومت ہند میں سیاسی اصلاحات (مانٹیکو پیپورٹرفارمس) کو کامیاب بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ کچھ اس لیے اور کچھ پولیس کی بے محابا نکتہ چینی سے متاثر ہو کر ڈائری سے متعلق اپنا رویہ بدل دیا۔

اب ڈائری بالکل تنہا تھا، — بے یار و مددگار، کوئی اس کا پشت پناہ تھا نہ
شنا خواں۔

وہ جالندھر کے ہسپتال میں بسترِ علالت پر دراز تھا۔ اور نئے حالات کا متوقع اور منتظر کہ ۱۹ مارچ کو کمانڈر انچیف نے اسے دہلی طلب کر لیا لیکن ڈاکٹر نے سفر کی اجازت نہ دی۔

۲۲ اپریل کو پھر بذریعہ تار اسے طلب کیا گیا اور کمانڈر انچیف نے اسے حکم سنا دیا کہ وہ اپنے اعزاز سے محروم کیا جاتا ہے کیونکہ منسٹر کمیٹی نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

منسٹر کمیٹی نے ڈائری کے خلاف جو فردِ جرم تیار کی تھی، اس کے دو پہلو سب سے زیادہ اہم تھے۔

ایک تو یہ کہ اس نے بغیر انتباہ کے فائرنگ کی،
دوسرے یہ کہ بھاگتے ہوئے لوگوں پر بھی دس منٹ تک فائرنگ جاری رکھی۔

اس سے کا ایک اور جرم کمیٹی کے نزدیک یہ تھا کہ اس نے ہنگامی حالات کا اعلان کیے بغیر یہ سب کچھ کیا۔
حکومت ہند نے بھی ہنٹر کمیٹی کے ان الزامات کو قبول کرتے ہوئے ڈاکٹر کو موردِ عقاب قرار دیا۔

ہنٹر کمیٹی نے دہلی، احمد آباد، فریڈنگٹن، لاہور، قصور، گوجرانوالہ اور امرتسر میں ہونے والے گولیوں کی لکڑی تفتی حق بجانب قرار دیا۔ لیکن جلیانوالہ باغ کی فائرنگ کو مجرمانہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر کے علاوہ دوسرے فوجی افسروں پر بھی نکتہ چینی کی۔ انڈین نیشنل کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۰ فروری ۱۹۲۰ء کو شائع کی جس میں جلیانوالہ باغ کے قتل عام کو معصوم، بے گناہ، اور نہتے لوگوں کے خلاف غیر انسانی اقدام قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ڈاکٹر کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔ اور ڈاکٹر کے کو برخواست کر دیا جائے۔

یہ رپورٹ ڈاکٹر کی زیرِ طرفی کے ایک ماہ قبل شائع ہوئی تھی۔

چرچل نے ڈائر کو چلتا کر دیا

انگلیز قوم نے چرچل سے بڑا سامراج پرست شخص شاید کوئی نہیں پیدا کیا۔

وہ برطانوی سلطنت کی حفظ و بقا کے لیے ساری دنیا کو قربان کر سکتا تھا۔

ڈائر کو چرچل نے تمام حربے استعمال کر کے برطرف کرا کے دم لیا۔

شاید برطانوی سامراج کا بھلا اسی میں اسے نظر آتا تھا۔

۴ مئی کو ڈائریکٹریٹ پر جمع کیا گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ملٹری سیکرٹری کو ایک خط لکھا کہ اس کے اقدام (فائرنگ) پر آرمی کونسل میں غور کیا جائے اور اجازت دی جائے کہ وہ خود اپنا کیس پیش کرے، اور مناسب سمجھے تو کسی وکیل کو بھی اپنے ساتھ لائے۔ فیلڈ مارشل سر ہری ولسن، چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کی ڈائری ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہے، ڈائری میں مرقوم ہے -

”ڈائری کیس مجلس وزارت کے سامنے پیش ہوا، وزیر جنگ مسٹر چرچل نے ۱۴ مئی کو یہ کیس آرمی کونسل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ کاہنہ نے اور انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ڈائری کو فوجی ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ آرمی کونسل کو اس فیصلے سے اتفاق کرنا چاہیے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ دوسری میٹنگ تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ دوسری میٹنگ میں مسٹر چرچل نے کہا، کاہنہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ ڈائری کو برخاست کر دیا جائے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ تیسری میٹنگ پر ملتوی ہو گیا، چرچل نے مان لیا کہ سر دست کوئی کاروائی نہیں کریں گے۔ لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ کاہنہ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ڈائری کو رخصت کر دیا جائے۔“

۲۷ مئی کو حکومت نے سرکاری طور پر ڈائٹر کے اقدام کی مذمت کی، مسٹر نائیگول نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

جس موقع پر کم سے کم طاقت استعمال کر کے کام نکالا جاسکتا تھا، زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کی گئی ہو فوجی نقطہ نظر سے بھی ناواقف اقدام ہے۔ لیکن برطانوی عوام اور اخبارات کے بڑے طبقہ نے ڈائٹر کو سراوا تحسین و آفرین اور اس کے اقدام کو سراسر بر محل اور موزوں قرار دیا۔ ہندوستان کے انگریز اخبارات نے بھی ڈائٹر کی پُر زور حمایت کی، اسٹیٹسمن ٹوسب سے آگے تھا۔

ڈائٹر اس وقت دورا ہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف زندگی تھی اور ایک طرف
 ”موت!“

آرمی کونسل کا فیصلہ

چرچل میں ایک بات ضرور تھی !
وہ جس بات کو صحیح اور درست سمجھ لیتا تھا اسے منوانے کے لیے، سر دھڑ
کی بازی لگا دیتا تھا۔
برطانیہ کی رائے عامہ ڈاکٹر کے ساتھ تھی، لیکن چرچل کا فیصلہ تھا کہ
اسے سزا ملنی چاہیے اور یہ فیصلہ بحال رہا۔



ڈاکٹر کی برطانیہ کے عوام اور اخبارات نیز ہندوستان کے انگریز اخبارات کے مداحانہ رویے سے ہمت بڑھ گئی۔ اس نے آرمی کونسل میں باقاعدہ اپنا مقدمہ پیش کیا اور بیان صفائی میں سہٹر کیٹی کو مورد الزام قرار دیا اور تفصیل کے ساتھ اپنے اقدام کو موزوں، مناسب اور بر محل قرار دیا۔

سرجن لائی کو آرمی کونسل کے فیصلہ کا فڈ بیک سٹروٹسٹن جہ چلنے سے اعلان کیا، جو یہ تھا۔

”ڈاکٹر نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی، اور اسے نصف تنخواہ

پنشن پر سبک دوش کیا جاتا ہے۔ اس تھر ریج کیساتھ کہ

اب کوئی فوجی منصب اسے نہیں دیا جاسکتا۔

حکومت کے اس فیصلہ کو برطانوی عوام نے پسند نہیں کیا۔ ووٹنگ پارٹی لائن پر ہوائی حکومت نے اس فیصلہ کی تصدیق تو کرا لی لیکن ۱۲۹ ممبروں نے اس کے خلاف رائے دی۔

اخبار مارننگ پوسٹ نے ”نجات دہندہ ہند“ کے لیے ایک فڈ کھولا، اور بہت مختصر مدت میں ۲۴۳۱ پونڈ جمع کر لیے۔

ایک برطانوی جج نے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔
 ”ڈاکٹر کا اقدام بالکل درست تھا اور اسے بہت غلط طریقے پر تہزادی گئی۔“

پارلیمنٹ کے بعد مجلس امداد ہاؤس آف لارڈس، میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا،
 یہاں ڈاکٹر کے طرف دار بہت تھے۔

لارڈ مسٹن نے ڈاکٹر کی حمایت میں طویل تقریر کی۔

مجلس امداد میں جب اس معاملے پر رائے شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسکی حمایت
 میں جن لوگوں نے رائے دی، ان میں ۸ ڈیوک، ۶ مارکیسس، ۱۳ ارل، ۱۰ وائکاؤنٹ
 ۶ بیریون تھے، اس طرح یہاں کافی اکثریت سے ڈاکٹر کے حق میں فیصلہ ہوا۔

لیکن اس فیصلہ نے سارے ہندوستان میں کھلبلی مچادی، ایک مرتبہ پھر
 برطانوی راج کی صفائی اور برطانیہ کی استعماریت اور اس کی سامراجی ذہنیت کے
 خلاف زہرا گلا جانے لگا۔

برطانیہ کے عوام اور خواص کا بہت بڑا طبقہ ڈاکٹر کے ساتھ تھا۔

نچ کا ایک طرفہ فیصلہ

قومی تعصب، عدل و انصاف کے علم برداروں کو بھی چاہئے انصاف سے
منحرف کر دیتا ہے۔

برطانوی قوم کو اپنی عین چیزوں پر بہت زیادہ فخر و ناز ہے، ان میں ایک یہ چیز
بھی ہے کہ وہ عدل و انصاف کا راستہ کسی حالت میں ترک نہیں کرتی — یہ
دعویٰ یقیناً بجا اور درست ہے۔ لیکن اگر قومی مفاد، اور انصاف میں تصادم ہو رہا
ہو تو اسے انصاف کو ترک کر دینے بلکہ اسے الوداع کہہ دینے میں بھی کوئی تاثر نہیں
ہوتا۔

ڈاکٹر کے سوا نچ نگار کا بیان ہے کہ۔

نومبر ۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر سپر فالج کا پھر کاروٹری تقریباً بوسس کا حملہ ہوا وہ بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہو گیا۔ یہ بیماری شریٹن کی سختی کا نتیجہ تھی جس کے باعث حوالی قلب و دماغ میں خون کی روانی سست پڑ گئی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلیا نوالہ باغ میں ڈاکٹر نے جو فائربگ کی تھی وہ اس کی اعصابی کشیدگی کا نتیجہ تھی۔ ۱۹۲۳ء میں بھی وہ اتنا زیادہ طویل تھا کہ سر بالکل اوڈاٹر نے سر سنکرن ٹائٹر کے خلاف آرائہ حیثیت عرفی کا مقدمہ ڈاکٹر کیا تھا اس میں وہ بطور گواہ نہ پیش ہو سکا۔

سر سنکرن ٹائٹر نے اپنی ایک کتاب ”گاندھی اور انارکی“ میں ڈاکٹر اور اوڈاٹر کی سخت بھرتی تھی۔

اس مقدمہ کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے مسٹر جسٹس میکارڈی (MECARDIE) نے ڈاکٹر کے بارے میں فرمایا۔

”میرا خیال ہے، اور تمام شہادتوں اور حالات کو سامنے رکھ کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ نہایت نازک اور غیر معمولی حالات میں جنرل ڈاکٹر نے جو کچھ کیا بالکل درست تھا۔ اور میری رائے میں اسے نہایت غلط طریقے پر سزا دی گئی۔ یہ میرا نقطہ نظر ہے

اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تمام حالات کا جائزہ لے کر اور ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر جو منظر کشی کے رویہ و نہیں پیش ہوئیں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے۔

”یہ فیصلہ سنگر — سر ڈاکٹر کا بیان ہے — عدالت کے جملہ حاضرین پر فوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہ محسوس کیا جانے لگا کہ پانچ سال کی مظلومیت کے بعد آخر کار حق کو فتح نصیب ہوئی، برطانوی انصاف ظفر مند ہوا، اور ایک بدترین غلطی کی تلافی ہو گئی لیکن یہ سب کچھ بہت بعد از وقت ہوا، جنرل ڈاکٹر کی صحت برباد ہو چکی ہے، وہ اب ایک خستہ اور ماندہ انسان ہے۔“

ڈاکٹر نے ڈاکٹر کی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے لب گورنور کو یہ خوشخبری سنا دے۔

اس مسئلہ کو پھر پارلیمنٹ میں اٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن مسٹر ریمزے — میکڈنلڈ نے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

ڈاٹر کی موت اور ڈاٹر کا قتل

۲۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ڈاٹر کا انتقال ہو گیا۔

سرمائیکل اور ڈاٹر جو ڈاٹر کے سب سے بڑے مرتبی اور قدر شناس تھے۔

۱۳ سال بعد ۱۹ مارچ ۱۹۹۰ء کو ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنے،

قاتل کا نام اودھم سنگھ تھا۔

انس کی دوسری گولی نے وزیر ہند لارڈ ٹیلینڈ کو زخمی کیا۔ بمبئی کے سابق گورنر

لارڈ لینکلن اور سر لوئیس ڈبیل سابق لٹیفینٹ گورنر پنجاب کو بھی زخم پہنچے،

یہ واقعہ لندن کے کاسٹن ہال میں پیش آیا، جہاں ایٹ انڈیا ایسوسی ایشن

اور سنٹرل ایشین سوسائٹی کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں شرکت

کے لیے یہ حضرات تشریف لائے تھے، قاتل گرفتار کر لیا گیا۔

اودھم سنگھ نے عدالت میں بیان دیا۔

”۱۹۱۹ء میں میری عمر سولہ سال کی تھی، اور امرت سر کی قاترنگ مجھے اب تک یاد ہے، میں اس شخص (اوڈائرس) سے نفرت کرتا تھا، یہ قتل کا مستحق تھا، میں اپنے ملک کیلئے جان دے رہا ہوں“



قاتل کو نراملی اور وہ پھانسی چڑھا دیا گیا، اس کے وکیل نے اس مقدمے پر تبصرے کرتے ہوئے کہا۔

”دنیا کے کسی ملک میں ایسے نازک مرحلے پر کہ ڈنکرک سے برطانوی افواج افراتفری کے عالم میں پسپا ہو رہی تھیں۔ اتنے بڑے دشمن ملک اور دشمن شہنشاہیت کو اس طرح کی قانونی مراعات اور سہولتیں نہیں دی جاسکتی تھیں جیسی اودم سمند کو دی گئیں!“

کوئی شبہ نہیں یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

لیکن کیا یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دنیا کے کسی ملک نے ان حکموں پر جو ہمیشہ اسے فوش آمدید کہتے رہے۔ اور ترقی اقبال و دولت کی دعائیں دیتے رہے۔ ایسے بھیانک اور روح فرسا مظالم نہیں کیے ہوں گے۔ جیسے انگریزوں نے ہندو پاکستان کی بے فرار اور امن پسند اور وفادار رعایا پر کیے۔؟

ختم شد